انشاءاللہ

شوکت تھانوی

انشاءاللہ

شوکت تھانوی

مصنّف کی دیگر کُتب :-

جی ہاں پڑھئے ہیں۔
جوکر
اے دیر باتیر یے
ما بعد ورت
مسکراہٹیں
خوامخواہ

یہ بات انشاءاللہ وہ بات انشاءاللہ بس بیٹھے بیٹھے انشاءاللہ کرتے رہو، مگر دیکھ لینا کہ اس سفیدی میں ایک دن سیاہی لگ کر رہے گی"

"جی استغفراللہ کیا بات کرتی ہو تم۔ انشاءاللہ اس کی مرضی ہے تو ہماری عزت پر کبھی حرف نہ آئے گا۔ وہ بڑا رب العزت ہے۔ سے

نہیں اس کی رحمت کا کوئی شمار

"کیا مجال ہے جو ایک پتا بھی اس کے حکم کے بغیر جنبش کرلے جب اس کا حکم ہوگا تب نجمہ کی شادی بھی انشاءاللہ ہو جائے گی"

"پھر وہی انشاءاللہ۔ خدا کے لئے مجھے یہ تو سمجھا دو کہ کیا یہ خدا نے کہا ہے کہ نہ ہاتھ ہلاؤ نہ پیر ہلاؤ۔ بس بیٹھے ہوئے انشاءاللہ کرتے رہو اس کا حکم جب ہی تو ہوگا جب خود تم کو کوئی فکر ہو"

"انشاءاللہ"

"اب میں اپنا سر پیٹ لوں گی۔ یہ کیا تم نے میری کوئی چڑ مقرر کی ہے۔"
ایک نوجوان اور ایک حسینہ ہنسی ضبط نہ کر سکے۔ اور بھاگے پردے کے
پیچھے سے ہنستے ہوئے۔ جب دور جاکر بمشکل تمام ہنسی پر قابو پایا تو اس نوجوان
نے جس کا کھلتا ہوا رنگ ہنسی کے مارے سرخ ہو چکا تھا۔ اپنی منڈی ہوئی
ڈاڑھی پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا: "انشاء اللہ۔"
لڑکی بگڑ گئی "واہ تو کیا اب آپ میرے ابا جان کی نقل بھی کرینگے۔"
لڑکے نے اسی متانت سے کہا: "انشاء اللہ۔"
لڑکی نے آنکھیں نکال کر کہا: "تو پھر انشاء اللہ مرمت بھی جناب کی وہ
ہوگی کہ انشاء اللہ کی جگہ انا اللہ کہنے لگیں گے" دونوں ہنس دیئے۔
قصہ دراصل یہ ہے کہ جس مکان کے یہ دو مناظر یکایک نگاہوں کے
سامنے آ گئے ہیں وہ مولوی رجب علی صاحب کا دولت کدہ ہے، مولانا
نہایت پاکباز، خدا اور رسول کو پہچاننے والے بزرگ ہیں۔ جوانی میں
لغزشیں کس سے نہیں ہوتیں۔ مگر پنشن لینے کے بعد سے تو یہ حال ہے
کہ اب وہ ہیں اور یادِ خدا۔ تمام وقت توبہ استغفار میں گزرتا ہے۔ اور
اس کی رحمت سے امید ہے کہ شاید تمام رشوت خوارانی کی وہ تمام
چاندنی راتیں بخش دی جائیں گی جن میں داروغہ رجب علی صاحب
راجہ اندر بنکر پریوں کے جھرمٹ میں بیٹھا کرتے تھے۔ پولیس کی
نوکری، بے چین دل، رشوت کی آمدنی، آخر انسان کیونکر اپنے قابو میں
رہ سکتا ہے۔

وہ تمام حالات پنشن لے چکے تھے۔ جوانی پنشن لے چکی۔ دل کی امنگ پنشن لے چکی۔ حد یہ ہے کہ تمام پریاں بھی پچپن سالے میں آچکی تھیں جو اس وقت، غارت گر ایمان کہلاتی تھیں۔ اور چونکہ اب ایمان کا کوئی غارتگر نہ رہا تھا۔ لہذا ایمان ہی ایمان تھا۔ نماز روزہ وظائف گریہ وزاری۔ صبح کا بھولا شام کو گھر آیا تھا۔ اس کو اس کی رحمت بھولا نہیں کہتی۔ رحمت کا دروازہ توبہ کے لئے ہر وقت کھلا ہوا ہے۔ بس دل کی صداقت، انفعال کی سچائی اور اعتراف کی پاکیزگی درکار ہے۔ بہر صورت جوانی جیسی کچھ بھی گذری ہو مگر بڑھاپا نور ہی نور تھا۔ البتہ بیوی سے بیچارے مجبور تھے۔ خود ان حضرت کی تھانیداری تو ختم ہو چکی تھی۔ مگر بیوی اب تک گھر میں تھانیدار تھی۔ سب سے بڑی بات تو یہ کہ خدا نہ کرے کہ کسی بیوی کے ذہن میں یہ بات جم کر رہ جائے کہ اس کا میاں عقل کا ذرا یوں ہی سا ہے۔ پھر تو بیوی کی بن آتی ہے۔ شوہر کو انگلیوں پہ نچانا شروع کر دیتی ہیں۔ اس قسم کی بیویوں کا میاں غریب روز بروز فدوی بنتا چلا جاتا ہے۔ یہی حال یہاں بھی تھا۔ مولوی رجب علی صاحب بیچارے تو چولہ بدل کر مرد مومن بن گئے تھے۔ مگر بیگم صاحبہ کے دم خم ویسے ہی تھے۔ تھانیدارنیوں والے۔ اس وقت جو بحث تھی اس کا خلاصہ صرف یہ ہے کہ ان دونوں کی تنہا اولاد نجمہ اب شادی کے قابل تھی۔ نسبتیں تو بہت سی تھیں اور جگہ جگہ سے آرہی تھیں مگر مولوی صاحب ہمیشہ یہ کہہ کر ٹال دیا کرتے تھے کہ "انشاءاللہ"

غور کروں گا۔ اور بیگم صاحبہ کو درا صل کوئی نسبت پسند ہی نہ تھی۔ ورنہ وہ مولوی صاحب کے غور کرنے کی شاید پرواہ بھی نہ کرتیں۔ لے دے کر ایک نسبت ایسی تھی جس کے متعلق عام خیال بھی تھا کہ شاید نجمہ کی شادی اسی لڑکے سے ہو جائے۔ یہ وہی لڑکا تھا جو اس وقت نجمہ کے ساتھ مولوی صاحب اور ان کی بیگم صاحبہ کے راز ونیاز سنکر ہنستا ہوا بھاگا تھا! علی گڑھ کالج کا گریجویٹ۔ تندرست جامہ زیب شریفانہ خصائل کا نوجوان مولوی صاحب کی ہمشیرہ معظمہ مرحومہ کی تنہا نشانی شکیل جو علی گڑھ سے آتے ہی مقابلہ کے امتحان میں بیٹھ کر ڈپٹی کلکٹری کے لئے منتخب ہو چکا تھا۔ مگر بیگم صاحبہ کو پس و پیش صرف یہ تھا کہ وہ لڑکی اپنے کسی عزیز کو دینا چاہتی تھیں بجائے اس کے مولوی صاحب کے کسی عزیز کو دی جائے اور اس سلسلہ میں خود ان کی بہن کا لڑکا سردار حسن عرف بنّو میاں ہر اعتبار سے ان کے نزدیک مناسب تھا۔ بشرطیکہ وہ ذرا آوارہ نہ ہوتا۔ تھوڑا سا پڑھا لکھا ہوتا اور کچھ نہ کچھ تہذیب اس میں ہوتی مگر اس کو ان رسمی چیزوں کی کیا ضرورت تھی گھر میں اللہ کا دیا اتنا موجود تھا کہ بغیر نیک چلن بنے بغیر پڑھے لکھے اور بغیر تہذیب اور تمیز کے ڈھکوسلوں کے وہ بڑے مزے کے ساتھ زندگی بسر کر سکتا تھا یعنی اگر وہ زندگی بھر آوارہ گردی کرتا رہتا تو بھی باپ اتنا کما چکے تھے۔ بڑی کے کاروبار میں کہ روپیہ کی تنگی کا کوئی امکان نہ تھا۔ مگر مولوی صاحب

اس کے نام پر لاحول بھیجا کرتے تھے۔ اور صاف صاف کہہ چکے تھے۔ انشاءاللہ یہ نسبت میرے جیتے جی نہ ہوگی "

بیگم صاحبہ اب تک ان کو سمجھا رہی تھیں کہ شادی ہونے کے بعد لڑکے میں خوشگوار تبدیلیاں پیدا ہو جائیں گی۔ چال چلن سدھر جائے گا۔ ذمہ داری کا احساس پیدا ہوگا۔ ہماری نجمہ کی خوش قسمتی اس نالائق کو لائق بنا دے گی اور اگر یہ بھی نہ ہوا تو بھی روپیہ اتنا ہے کہ نجمہ کو کوئی تکلیف نہ ہوگی۔ شکیل پڑھے لکھے، سمجھدار سعید اور شریف سہی مگر آخر غریب ہیں زیادہ سے زیادہ وہی ڈپٹی کلکٹری کی تنخواہ اور تنخواہ سے زیادہ ڈپٹی کلکٹری ٹھاٹھ۔ کیا خود اٹھائیں گے اور کیا بیوی کے لئے چھوڑیں گے۔ مگر ان میں سے ہر استدلال کا جواب مولوی صاحب کی طرف سے یہی تھا کہ انشاءاللہ جو ہوگا بہتر ہی ہوگا "

نجمہ کو ببو میاں کے نام سے بخار چڑھتا تھا۔ اور وہ اس وقت کے لئے موت مانگتی تھی۔ جب اس کو اپنی زندگی اس نامعقول سے وابستہ کرنا پڑے۔ شکیل نے اور بھی اس کے معیار انتخاب کو بلند کر دیا تھا۔ اس کے لئے اس وقت ایک طرف شکیل تھا۔ جو شرافت کا پتلا، تہذیب کا پیکر تعلیم یافتہ اور ہر اعتبار سے ایک پسندیدہ نوجوان تھا۔ اور دوسری طرف وہ حضرت تھے جن کے متعلق پوچھا جا سکتا تھا کہ اونٹ رے اونٹ تیری کون سی کل سیدھی۔ چہرے

پر وہی بازاریت، بر ستی تھی جو اس قسم کے لوگوں کے چہرے پر برسنے لگتی تھی ۔۔۔ پان کلّے میں دبائے، پٹیاں چکنائے، انگلیوں میں سگریٹ دبائے پھر رہے ہیں ۔ ادھر سے ادھر ۔ احباب ہیں تو وہ ایسے ہیں کہ کوئی کامدانی بناتے والا جناب کا دوست ہے تو کوئی بساطی آپ کی دوستی کا دم بھر رہا ہے۔ شوق سب دیگچی سے اور گھٹیا قسم کے کنکوے کے میدان پر ۔لے جا رہے ہیں، بٹیروں کی پالیاں منعقد کی جا رہی ہیں یا زیادہ سے زیادہ مہذب بننے کو جی چاہا تو مرحوم نانا جان کی بیاض سے ایک آدھ غزل نقل کر کے چلے گئے کسی مشاعرے اور داد وصول کر لائے ۔ اس سلسلے میں تخلص تھا جناب کا مجنون مگر یہ تخلص ایسے ایسے مصرعوں میں بھی ٹھونسا گیا تھا۔ جن میں بالکل الگ ہی نظر آتا تھا ۔ مگر ان باتوں کی جناب کو پرواہ نہ تھی غزل پڑھتے اس انداز سے تھے کہ ہمیشہ قوالیوں کی ٹولیوں میں رہ چکے ہوں اور لطف آتا تھا اسی وقت جب موزوں مصرعہ کو ناموزوں پڑھ کر مرے ہوئے نانا کی روح کو شرمندہ کر دیا کرتے تھے۔ ایسے ہمہ گیر بیہودہ کو نجمہ کی ایسی ہمہ صفت موصوف لڑکی اپنے لئے تپ دق تصور کرتی تھی۔

نجمہ نہ بہت حسین تھی نہ اس کے چہرے میں کوئی ایسی خاص بات
جس کو شاعرانہ انداز کے ساتھ بیان کیا جا سکے۔ پھر بھی اس کو حسینہ
اس لئے کہا گیا ہے کہ اول تو ناول میں ایک حسینہ کا ہونا ضروری ہے
دوسرے حسن عورت کا پیدائشی حق ہے اور اس حق کا مطالبہ ہر
وہ عورت کر سکتی ہے جو بدصورت نہ ہو گورا رنگ ہی حسن کیلئے
ضروری نہیں ہے۔ گیہوں رنگ میں بھی حسن ہوتا ہے۔ ہرنیوں کی
آنکھیں ہی حسین نہیں ہوتیں کبھی کبھی بیل کے سے دیدے اچھے
لگتے ہیں۔ اور نرگسی آنکھوں کا تو پوچھنا ہی کیا۔ بڑی آنکھ تو
خیر بڑی بات ہے مگر آنکھ کا بیمار نظر آنا بھی تو حسن ہے۔ مختصر
یہ کہ حسن کا صاف پوچھئے تو کوئی معیار ہی نہیں بعض لوگوں کو ایسی
عورتوں سے عشق میں مبتلا دیکھا گیا ہے جن کی شکل حسن سے

کوسوں دور اور بدشکلی سے قریب تر ہوتی ہے۔ یہاں تک کہ عاشق زار کی عینک کا نمبر دیکھنے والوں کو غلط معلوم ہونے لگتا ہے۔ مگر چونکہ عشق کا دیوتا نابینا ہے۔ لہٰذا حسن کو دراصل حسن سے کوئی تعلق نہیں بلکہ حسن نظر اس کو حسین بنا دیتا ہے۔ خیر یہ تو ایک تفصیلی بحث ہے اور اندیشہ ہے کہ بدصورت عورتیں اس بحث کی مخالفت شروع کر دیں گی مگر ہمارا خیال دراصل یہ ہے کہ عورت بجائے خود حسن کا دوسرا نام ہے۔ عورت سے مراد یہ ہے کہ وہ جوان ہو چکی ہو اور بڑھیا نہ ہوئی ہو۔ بچپن اور بڑھاپے کے اس درمیانی وقفہ میں معمولی سے معمولی شکل و صورت کی عورت کسی نہ کسی کے لئے ایک جاذبیت ضرور رکھتی ہے۔ خیر نجمہ تو واقعی اس اعتبار سے خوبصورت تھی کہ وہ مقابلۂ حسن میں شرکت کر کے انعام خواہ حاصل نہ کر سکے مگر اس کے چہرے پر ایک رعنائی تھی۔ ایک کشش تھی۔ اور اعضا کے تناسب میں اور بحیثیت مجموعی وہ غزل کا ایک ایسا شعر نظر آتی تھی جو الفاظ کی شکل اختیار کرنے کے بجائے مجسم ہو کر رہ گیا ہو۔ مگر سخن فہم اس کو پھر بھی شعر سمجھ کر پڑھیں اور جھوم جھوم اٹھیں۔ ذہانت اس کے چہرے پر برستی اور نگاہوں میں چمکتی تھی۔ شوخی اور ظرافت اس کی فطرت تھی۔ اگر کبھی کبھی بو میاں کا روح فرسا خیال اس کو پژمردہ نہ کر دیا کرتا تو وہ یقیناً ایک صدا بہار پھول تھی۔ جس کی شگفتگی کے لئے بہار و خزاں

کوئی قید نہ تھی۔ مولوی رجب علی صاحب اب مذہبی قسم کے آدمی بن گئے تھے۔ ورنہ پہلے تو ان کو اس پر بھی اعتراض نہ تھا کہ نجمہ کسی انگریزی اسکول میں بے پردہ رہ کر تعلیم حاصل کرے۔ وہ تو کہئے کہ بیگم صاحبہ کی روک ٹوک نے اسلامیہ گرلز کالج میں پردہ کے ساتھ اس کو تعلیم دلوائی اور قبل اس کے کہ مولوی رجب علی صاحب مسٹر سے مولوی بنیں وہ انٹرنس پاس کر چکی تھی۔ وہ تو غالباً اب تک بی۔ اے بھی ہو جاتی مگر والد صاحب کا رنگ ہی بدل گیا۔ پھر بھی ایک ذہین لڑکی کے لئے اپنی ذہانت کے صحیح استعمال کے واسطے اتنا ہی کافی تھا کہ وہ انٹرنس پاس کر چکی تھی۔ ان تمام حالات کے تحت اس کے لئے واقعی کیوں کر ممکن تھا کہ وہ بو میاں ایسے نوجوان کو جو مزاج شریف" کو سوائی میں "مجاز شریف" کہہ جایا کرتے تھے۔ لکھنؤ کے بجائے "نکھلؤ" کہتے تھے۔ بات بات پر اپنے سر عزیز کی قسم کھاتے تھے۔ ایسے شخص کو مجازی خدا، اپنا شریک حیات کیسے بنالیتی۔ وہ تو دو منٹ بھی ان سے بات کر کے الجھ جایا کرتی تھی اور اس کی سمجھ میں کچھ نہ آتا تھا۔ کہ ان کی باتوں کا کیا جواب دے۔ البتہ جب وہ شکیل سے بات کرتی تھی اس کو محسوس ہوتا تھا کہ وہ ہم سخن و ہمنوا کے ساتھ ہے۔ بات بات میں ذہانت اور طباعی تہذیب اور شائستگی کا دامن کبھی ہاتھ سے نہ چھوٹتا تھا۔ بات کرنے کا لطف، جواب پانے کا لطف، اکثر ایسا بھی ہوتا کہ شکیل

اور ببو میاں ایک ساتھ مولوی صاحب کے یہاں لبھی پہنچ جاتے تھے۔ اس وقت نجمہ کو کبھی تو شکیل کی علی گڑھ والی شوخیاں لطف دیتی تھیں اور کبھی یہ ڈر لگتا تھا کہ کہیں وہ جانور جس کا نام ببو ہے خفا نہ ہوجائے یا شکیل کو خفا نہ کردے۔

آج بھی اتفاق سے شکیل کے آتے ہی خدا جانے ببو کہاں سے آ نکلے۔ پہلے تو شکیل کو دیکھتے ہی آپ نے ایک نعرہ بلند کیا "اخاہ استاد دھرے ہوئے ہو یہاں، تم کو تو کہیں اور ڈھونڈھنا ہی بیکار ہے۔ یا گھر پر یا راستہ میں ورنہ یہاں۔"

شکیل نے تہذیب سے کہا "اور آپ کے نزدیک مجھ کو کہاں ہونا چاہئے۔"

ببو نے کہا "اماں غضب خدا کا اتنا بڑا مشاعرہ شہر میں ہوگیا دور دور کے شاعر آئے ہوئے تھے۔ خلقت خدا کی پھٹ پڑی تھی۔ مگر تم کو جیسے ان باتوں سے کوئی دلچسپی نہیں۔"

شکیل نے کہا "ارادہ تو ہوا تھا آنے کا مگر سواری کے لئے کوئی تخلص ہی نہ ملا۔ آخر کیسے آتا۔"

ببو نے بغیر سمجھے ہوئے کہا "مگر لکھنؤ پھر لکھنؤ ہے۔ ایسی ایسی غزلیں لکھنؤ والوں نے سنائی ہیں کہ باہر والے منہ دیکھ کر رہ گئے۔ مصرعہ طرح بھی تو غضب کا تھا کہ

شاید کہ بہار آئی زنجیر نظر آئی۔

نجمہ نے فوراً امتحان لیا۔ "ببو بھائی کس کا مصرعہ ہے یہ؟"

ببو نے قابلیت سے کہا۔ "مشاعرہ کا تھا مصرعہ طرح اور کس کا ہوتا اور یہ بھی یہ تو اس لئے دیا جاتا ہے کہ اس پر گرہ لگائی جائے اسی سے شاعر کی قابلیت معلوم ہوتی ہے۔ لکھنؤ کے ایک شاعر نے تم جانتے ہو گے شکیل ان کو، وہ میرن صاحب ہیں نا کمیشن ایجنٹ کا صفر تخلص ہے ان کا۔ کیا خوب گرہ لگائی ہے۔ کہتا ہے ظالم سے

گیسو کسی ظالم کے لہرائے گلستاں میں
شاید کہ بہار آئی زنجیر نظر آئی

نجمہ نے کہا۔ "ہائے غریب میر تیرا کیا حال ہوا ہوگا یہ گرہ سنکر۔"

ببو نے کہا۔ "میر مشاعرہ کا نا۔ ارے صاحب وہ تھے میر مشاعرہ اصغر علیخاں اصغر ریلوے والے۔"

شکیل سے ضبط نہ ہو سکا۔ "آپ نے بھی تو غزل پڑھی ہوگی اس مصرعہ کو کس طرح ذبح فرمایا ہے۔"

ببو نے کہا۔ "اجی خیر میں کیا اور میری گرہ کیا۔ مگر دو مرتبہ مشاعرہ میں پڑھوایا گیا یہ شعر۔ رنگ ضرور نیا نکالا ہے۔ تم شاید پسند کرو گے استاد میرن صاحب صفر نے تو بہت پسند کیا ہے۔"

شکیل نے کہا۔ "تو خدا نہ کرے کہ یہ مجھے پسند آئے۔"

ببو نے جوش میں کہا۔ "ہاں سنو سبھی کہتے ہیں میری قسم عرض کرتا

ہوں کہ بھئی، سے

رنگین دوپٹے کا اڑتا ہوا آنچل ہے
شاید کہ بہار آئی زنجیر نظر آئی

نجمہ نے ہنسی ضبط کر کے کہا۔ "کوئی ہنسا تو نہیں اس پر۔"

شکیل نے فوراً بات سنبھالی۔ "ہنسنے کے نئے مسخروں کی کیا کمی ہے۔ مگر اس میں شک نہیں کہ مصرعہ اپنا لیا ہے تم نے رنگین کہہ کر بہار کو سنبھالنا اور دوپٹے کے بل سے زنجیر بنانا یہ تمہارا ہی کام تھا۔

ببو آ گئے جھکیے میں۔ "جب ہی تو میں کہتا ہوں، یار کہ تو ایسی اچھی سوجھ بوجھ رکھتا ہے شعر کی۔ پھر بھی نہ جانے کیا آفت ہے کہ مشاعروں کی طرف رخ بھی نہیں کرتا۔ تمہاری قسم! ایسے ایسے شعر سنے ہیں رات کے مشاعرے میں کہ جاگنا وصول ہو گیا۔"

شکیل نے گھڑی دیکھتے ہوئے کہا۔ "میں آپ کی پوری غزل سنتا مگر مجھے اسی وقت جانا ہے۔ ٹینس میچ میں آج لکھنؤ کے سب سے مشہور کھلاڑی اور کلکتہ کے بوس کا فائنل ہے۔"

ببو نے متنفر ہو کر کہا۔ "اونہہ! بس تم ابھی گیند بلے میں ہے۔ اماں یہ لونڈیا پن اب چھوڑو گے بھی یا نہیں۔"

خیریت یہ ہوئی کہ ٹھیک اسی وقت نجمہ کی والدہ نے ببو کو آواز دے کر بلا لیا۔ ببو کے جاتے ہی نجمہ نے شکیل سے کہا۔ "اب

آپ تو چپکے سے نکل جائیے مگر میرے حق میں دعا کیجئے گا کہ یہ حضرت اپنی غزل کہیں مجھے نہ سنانے بیٹھ جائیں۔"

شکیل نے ٹوپی اٹھاتے ہوئے کہا "خداوند کریم آپ کو اس بدمذاقی سے محفوظ رکھے۔ حالانکہ آپ کو تو لطف لینا چاہیئے ان باتوں سے۔ ایسے شاعر ہمیشہ نہیں پیدا ہوتے اور اگر ہوتے ہیں تو فوراً فلم کمپنیوں میں چلے جاتے ہیں۔"

نجمہ نے کہا "اب کہاں جاتے ہیں فلم کمپنیوں میں اب تو وہاں بھی صحیح قسم کے شاعر جا رہے ہیں۔"

شکیل نے جاتے ہوئے کہا "اچھا تو پھر یہ خاکسار بھی کوشش کرے گا۔ آداب عرض۔"

آج نجمہ کے پاس نہ ببو صاحب کا گزر ممکن تھا نہ شکیل وہاں جا سکتے تھے اس لئے کہ اسکول کی دو تین سہیلیاں آئی ہوئی تھیں۔ اور ان سہیلیوں میں ساجدہ کی وجہ سے ایک عجیب دھماچوکڑی مچی ہوئی تھی۔ ساجدہ جہاں ہو وہاں خاموشی اور سکون کا امکان ذرا مشکل سے پیدا ہو سکتا ہے۔ اس کو چھیڑ اس کو ستا اس طرف کود اس طرف پھاند، ہنسی، قہقہے، مختصر یہ کہ وہ بجائے خود ایک مستقل ہنگامہ کی حیثیت رکھتی تھی۔ جیسے ہی اس کو یہ اطلاع ملی کہ شکیل آیا ہوا ہے اور وہ نجمہ کے سر تھی کہ کسی طرح کہیں سے شکیل کو دکھلا دے۔ نجمہ جانتی تھی کہ شرکت دیدار کی اس پیاس کا کیا مفہوم ہے۔ اگر یہ ضد ببو صاحب کے لئے اس نے کی ہوتی تو شاید نجمہ کو کچھ پس و پیش نہ ہوتا۔ مگر شکیل کیلئے

وہ اپنی پوزیشن ذرا مستحکم سمجھ رہی تھی پھر بھی اس نے اتنا ضرور کہا۔

آخر آپ اس قدر بے قرار کیوں ہیں، کسی غیر مرد کو دیکھنے کیلئے؟"

حاضر جوابی دیکھئے کم بخت کی، فوراً بولی "بات یہ ہے بہن کہ ہمارے یہاں ہوتی ہے طبابت۔ ابا جان حکیم ہیں نا۔ تھوڑا بہت دخل مجھ کو بھی ہے۔ طب میں۔ اب میں ان صاحب کو دیکھ کر تمہارے بعض امراض کی تشخیص کرنا چاہتی ہوں۔"

باقی دو سہیلیاں نرگس اور ریحانہ ہنس دیں۔ نجمہ نے کہا "آپ کا بہت بہت شکریہ! مگر میں نے تو اپنے کسی مرض کا ذکر آپ سے نہیں کیا ہے۔" ساجدہ نے بڑا حکیمانہ چہرہ بنا کر کہا "آپ کو بیان کرنے کی ضرورت ہی کیا ہے۔ مشتاق حکیم اور قابل نباض وہ ہوتا ہے جو بغیر حال سنے صرف چہرہ دیکھ کر مرض کے تہہ تک پہنچ جائے۔ جس وقت ملازمہ نے آکر یہ کہا ہے کہ شکیل میاں آئے ہوئے ہیں۔ اس وقت آپ کے رخ روشن پر ایک ایسی موج پیدا ہوئی تھی جس کو ہم حکماء اپنے طبی نقطۂ نظر سے نہایت خطرناک سمجھتے ہیں۔ اس قسم کی موجوں کا اگر فوری علاج نہ کیا جائے تو نتیجہ ذرا خراب نکلتا ہے۔ ایسے مریضوں کو دیکھا گیا ہے کہ ان کو پہلے اختلاج کی شکایت ہوتی ہے۔ پھر آنکھوں میں پانی پیدا ہونے لگتا ہے۔ اس کے بعد

بھوک پیاس کا احساس کم ہو جاتا ہے۔ یہاں تک کہ آخر میں وہ شکایت پیدا ہو جاتی ہے جس کو محبت کہتے ہیں بلکہ بہت سے مریضوں کو محبت بھی نہیں عشق ہو جاتا ہے۔"

نجمہ نے جل کر کہا۔" چل دور۔ بڑی آئی وہاں سے حکیم کی بچی بن کر۔"

ساجدہ نے متانت سے کہا۔" دونوں باتیں صحیح ہیں حکیم کی بچی بھی ہوں اور بڑی بچی بھی۔ مگر آپ کے اس غمزدہ کی بدولت اپنا ارادہ ترک نہیں کر سکتی میں اس شخص کو ضرور دیکھوں گی جس نے میری معصوم سہیلی کو اس بڑے مرض میں مبتلا کر دیا ہے۔"

نجمہ نے کہا۔" کچھ حواسوں میں ہے یا نہیں جو منہ میں آتا ہے بکتی چلی جاتی ہے کم بخت کی زبان میں جیسے لگام ہی نہیں۔"

نرگس نے کہا۔" خدا کے لیے لے جا کر کہیں سے اس بلا کو جو نہ کوئی پوچھے آپ سے کہ اگر کچھ ہے تو آپ کون۔ آپ سے کیا مطلب"؟

نجمہ نے کچھ کہنا ہی چاہا تھا کہ ساجدہ نے اسے چپ کرتے ہوئے کہا۔

"میں کون ؟ مجھ سے کیا مطلب ؟ ہاں بہن ٹھیک کہتی ہو یہ بھی نئی روشنی کا ایک اندھیر ہے کہ آجکل کی لڑکیاں اس قسم کے معاملات میں بزرگوں سے مشورہ ہی نہیں کرتیں۔ جب ہم تمہاری عمر کے تھے اور ہم کو بھی مرض ہو گیا تھا۔ ایک شکیل میاں کو دیکھ

کر تو ہم نے سب سے پہلا کام یہی کیا تھا کہ اپنی نانی جان مرحومہ سے فوراً مشورہ کیا۔ نانی جان آج ہم نے ایک شکیل میاں کو دیکھا ہے اور اب ہے

دلِ ناداں بہلتا نہیں بہلانے سے

بتائیے کیا کیا جائے۔ نانی جان نے فوراً دل کے بہلنے کی دعا پڑھ کر پھونک دی مگر پھر بھی یہ شکایت نہ گئی۔ تو مشورہ دیا کہ اب تم اپنے مرض ہی سے دل بہلاؤ۔ اس لئے کہ ان کو معلوم تھا کہ ع

درد کا حد سے گزرنا ہے دوا ہو جانا۔"

ریحانہ نے نجمہ کو مشورہ دیا "تم جیت نہ سکوگی اس بلائے بے درماں سے جاکر دکھلاؤ نا شکیل صاحب کو۔"

نجمہ نے کہا "تشریف لائیے۔ حالانکہ یہ بڑی بے انصافی ہے کہ آپ ان بیچارے کو چپکے سے دیکھ لیں اور ان کو خبر بھی نہ ہو کہ ان کا تماشہ ہو رہا ہے اسی کمرے میں تو ہیں۔ برابر والے میں اس کھڑکی سے دیکھو تو جاکر۔"

ساجدہ دوڑ کر کھڑکی کے پاس پہنچی اور پہلے تو ایک منٹ تک باہر جھانکتی رہی اس کے بعد دوڑی ہوئی آئی اور نجمہ کا منہ دونوں ہاتھوں میں لے کر بالکل اپنے مقابل کیا۔ پھر ایک ہاتھ سے ایک آنکھ کا پپوٹا اٹھانے لگی تو نجمہ نے گھبرا کر کہا "یہ آخر کیا ہو رہا ہے یہ میری آنکھ پر مہربانی کیوں شروع ہوئی ہے؟"

ساجدہ نے کہا۔ "ٹھہرو جی مجھے تمہاری آنکھ کے اس نقص کو دیکھنا ہے جس وجہ سے تم کو یہ کنکوا پسند آیا ہے۔ ایک بدتمیز سا انسان جس کو پان تک کھانے کا سلیقہ نہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ بھانڈوں کے طائفہ سے نکل بھاگا ہے، یا پان کا غلام ہے۔"

قدرتی طور پر نجمہ نے حیرت سے کہا۔ "کیا؟" اور غیر ارادی طور پر جھپٹی۔ چلمن کی طرف کہ آخر قصہ کیا ہے۔ دیکھتی ہے کیا کہ بجائے شکیل کے سامنے والی کرسی پر بو میاں واقعی پان کے غلیلے بنے ہوئے بیٹھے ہیں۔ اس نے وہیں سے ہنسنا شروع کر دیا۔ اور ساجدہ کے پاس آ کر کہا۔ "اللہ نہ کرے یہ شکیل بھائی ہوں۔ یہ تو بو بھیا ہیں۔ شکیل بھائی اس طرف پشت کئے بیٹھے ہیں۔"

ساجدہ نے تالی بجا کر کہا۔ "جناب کا مرض رفتہ رفتہ کھلتا جا رہا ہے کس قدر بڑا دل کر کہا ہے کہ اللہ نہ کرے یہ شکیل ہوں۔ دعا بھی درست ہے کہ اللہ نہ کرے یہ بھائی ہوں اور جذبہ بھی درست کہ اللہ نہ کرے ان کی ایسی شکل اور قطع ہو۔"

ریحانہ نے کہا۔ "افوری افلاطون، پناہ نہیں ہے اس کی میں تو سچ کہتی ہوں کہ اس کو وکالت کا امتحان دینا چاہیے تھا۔"

نرگس بولیں۔ "اور مجھے یہ فکر ہے کہ اس غریب کا کیا حال ہوگا جو اس کی ذہانت کا زندگی بھر کے لئے شکار بنے گا۔"

ساجدہ نے کہا۔ "حال کیا ہوگا زیادہ سے زیادہ یہی کہ میاں

بھی خیریت چاہیں گے تو اپنی حدوں میں رہیں گے۔ ورنہ دونوں کانوں کے بیچ میں سر نظر آئے گا۔ دوسری بات یہ کہ میں کٹیری لڑکی ذات مجھ سے اس قسم کی باتیں نہ کیا کرو۔ مجھے اگر اتفاق سے شرم آگئی تو لینے کے دینے پڑ جائیں گے۔"

نجمہ نے کہا۔ "شرم آئے اور تم کو ایسی بے شرم نہیں ہے شرم کہ تم کو اپنا مرکز بنالے۔"

ساجدہ نے داد دینے کے انداز سے کہا "سبحان اللہ کیا شعر ارشاد ہوا ہے گویا لٹریچر بگھار گئیں جناب ایک ہی جملہ میں۔ مگر اس طرح بات ٹل نہیں سکتی۔ مجھے اب کسی دوسرے کمرے میں چل کر ان کو بھی دکھاؤ۔ جن کو دیکھنے کی بجائے ہم ان حضرت کو دیکھ آئے جو شیر بنے ہوئے بیٹھے ہیں۔"

نجمہ جانتی تھی کہ اب اس ضد کو پورا ہی کرنا پڑے گا۔ لہٰذا دوسرے کمرے سے لے کر شکیل کی زیارت بھی ان محترمہ کو کرادی اور ان کے طفیل میں باقی سہیلیوں نے بھی شکیل کو دیکھ لیا۔ ساجدہ نے نظروں ہی نظروں میں شکیل کو اچھی طرح پڑھ کر پہلے تو نہایت خاموشی کے ساتھ اس کمرے کا رخ کیا جہاں یہ سب پہلے سے بیٹھی تھیں۔ اس کے بعد دو چار مرتبہ سر کو بے معنی جنبش دے کر کہا "ہوں ہوں تو اب کس منزل پر ہے تمہارا مرض۔"

نجمہ نے کہا "پاگل تو نہیں ہے۔ کیسا مرض وہ میرے بھائی

ہیں۔" ساجدہ نے منہ بنا کر کہا "اچھا خیر ہوں گے بھائی۔ ایسے بھائیوں کا کیا ٹھکانا۔ آجکل میرے بھی ایک چچا زاد بھائی مچلے ہوئے ہیں کہ بھائی کی بجائے کچھ اور یعنی بھائی کے علاوہ سب کچھ بن جائیں یہ رشتے کے بھائی ہمیشہ خطرناک ہوتے ہیں، لڑکی ذات کے لئے۔"

نرگس نے کہا "لو اور سنو، کم بخت اپنا قصہ بھی اگل گئی آخر۔"

ساجدہ نے کہا "ارے بہن اور سنو میں تو ابھی بہت کچھ اگلوں گی مجھ کو تو دراصل تلاش تھی کسی ایسی راز دار سہیلی کی جس کو چپکے چپکے اپنی داستان محبت سنایا کروں۔ مگر یہ نجمہ والا قصہ۔"

نجمہ نے ہاتھ جوڑ کر کہا "للہ میرے حال پر رحم کرو۔ مجھے بخش دو۔ چلو وہ دیکھو چائے آگئی۔"

اس وقت تو خیر چائے آجانے کی وجہ سے یہ قصہ ختم ہو گیا مگر ساجدہ کو اب بھلا کہاں چین۔ نجمہ کی والدہ سے چلتے وقت وعدہ لے لیا کہ کل نجمہ کو اس کے یہاں بھیج دیں گی۔ اور طے پایا کہ کل اسی کے یہاں سب دن بھر ساتھ رہیں گی۔

مولوی رجب علی صاحب سے نجمہ نے کہا: "تو اجازت ہے نا ابا جان میں شام تک آجاؤں گی"

مولوی صاحب نے فرمایا: "انشاءاللہ"

بیگم صاحبہ نے کہا: "انشاءاللہ کیا۔ شام ہو یا تو تم خود جا کر لے آنا یا میں نصیبن کو بھیج دوں گی۔ اکیلی یہ کیسے آئے گی۔ وہاں سے رات کے وقت زیادہ اچھا تو یہی ہے کہ تم خود چلے جانا"

مولوی صاحب نے فرمایا: "ہاں ہاں انشاءاللہ اچھا اب تم جاؤ بیٹی۔ فی امان اللہ"

بیگم نے کہا: "بس یہیں سے بیٹھے ہوئے، امان اللہ اور ملکہ ثریا کرتے رہو، یہ نہیں کہ باہر جا کر لڑکی کو سوار کرا دیں"

نجمہ نے جاتے ہوئے کہا: "نہیں امی جان وظیفہ پڑھنے دیجئے نا

میں بیٹھی جاتی ہوں گاڑی میں، ساجدہ کے گھر ہی کی تو گاڑی ہے اور ان کی نوکرانی بھی تو ساتھ ہے۔"

بیگم نے کہا "اچھا جاؤ بیٹی امام ضامن کی ضامنی۔"

نجمہ جس وقت ساجدہ کے یہاں پہنچی ہے۔ نرگس اور ریحانہ کو ساتھ لئے ساجدہ ڈیوڑھی میں اس کی منتظر تھی۔ چنانچہ اس کو گاڑی سے گھسیٹ کر اپنے سے پیوست کرتے ہوئے کہا: "اور بھی سنا کچھ آج تیرے وہ آ رہے ہیں۔"

نجمہ نے حیرت سے کہا "میرے وہ کون ہوتے ہیں۔ میں کہتی ہوں تیرا دماغ تو خراب نہیں ہو گیا ہے واقعی علاج کی ضرورت ہے۔"

ساجدہ نے اس کو جھنجھوڑتے ہوئے کہا: "اچھا خیر! بنا بنو میں واقعی شکیل صاحب آ رہے ہیں۔ میں نے سوچا کہ تم کو تنہا بلانا ٹھیک نہیں ہے وہاں خالو جان اور خالہ جان کی وجہ سے تم دونوں آپس میں بات بھی نہ کر پاتے ہو گے۔ مگر یہاں تو میدان صاف ہے۔"

نجمہ نے اس سے اپنے کو علیحدہ کرتے ہوئے کہا "آپ کی اس توجہ اور غریب پروری کا شکریہ، مگر یہ بکواس ہے کیا آخر؟"

نرگس نے کہا "ارے بھائی قصہ یہ ہے کہ آج ان کے بھائی جان نے بھی اپنے کچھ دوستوں کو چائے پر بلایا ہے اور ان دوستوں کی فہرست میں ایک صاحب شکیل نعمانی علیگ بھی ہیں ان کا خیال

ہے کہ یہ وہی شکیل صاحب ہیں۔"

نجمہ نے کہا "خیال تو درست ہے مگر یہ تو اور یا خوش انتظامی کہ ایک ہی تیر سے دو ہرن شکار کئے گئے ہیں۔"

ساجدہ نے کہا "مضمون ہو گیا بھائی جان سے۔ میں نے جب کل شام کو آکر امی سے کہا کہ میری سہیلیاں کل آ رہی ہیں تو معلوم ہوا کہ بھائی جان کے کچھ دوست بھی آ رہے ہیں۔ میں نے بھی کہا چلو اچھا ہے۔ یک کرشمہ دو کار بھی ہے۔ پھر یہ کہ میں اس سے زیادہ شاید تمہاری کوئی اور خاطر نہیں نہ کر سکتی۔"

ریحانہ نے کہا "مجھ سے سنو صاف صاف ہم لوگ صاحب اور باہر شکیل صاحب وغیرہ بھی در اصل طفیلئے ہیں جو در اصل مہمان آ رہے ہیں۔۔۔ یعنی جناب۔۔۔ کے ہونے والے ہمدم ہمراز۔"

نجمہ نے چونک کر کہا "ارے ہاں۔۔۔ ساجدہ کے ہونے والے دولہا۔"

نرگس نے کہا "ہاں ہاں کپتان سعید، جن کے ساتھ ان کی نسبت ٹھہری ہوئی ہے وہ در اصل ان کے بھائی جان کے ہیں دوست اور یہی دوستی اس حد تک رنگ چکی ہے کہ رشتہ دار بننے والے ہیں۔"

ریحانہ نے کہا "اس برق بلا کے لئے ہے بھی وہ مناسب آدمی فوجی افسر ٹھیرا قواعد کرا کرا کے بیگم صاحبہ کی تمام تیزی دو دن میں رخصت کر دے گا کہے گا اٹینشن، کوئک مارچ۔"

ساجدہ نے کہا "کہیں اس ہوا میں بھی نہ رہنا مجھ کو بھی اباؤٹ

طرح کہنا آتا ہے۔"

نجمہ نے کہا "واقعی تم ٹھیک کہتی ہو، اکبر نے تمہاری سی ایسی بیگم کو پیش نظر رکھ کر کہا تھا سہ

اکبر ڈرتے نہیں کسی سلطاں کی فوج سے
لیکن شہید ہو گئے بیگم کی فوج سے

ساجدہ نے کہا "ایسے زنگروٹوں سے مرعوب ہو جاؤں تو لعنت ہے مجھ پر۔"

نرگس نے کہا "اری کم بخت اب اس معاملہ میں تو چپ رہا کر یہ تیرے ہی ہونے والے میاں کا ذکر ہے۔ کیا واقعی تیری آنکھوں کا پانی بالکل مر چکا ہے۔ سچ سچ کیا زمانہ آگیا ہے۔"

ساجدہ نے کہا "سچ کہہ رہی ہیں آپ نانی اماں۔ آپ کے زمانے میں تو آنکھوں کا پانی اس قدر زندہ رہتا تھا کہ میاں کا نام آیا اور آپ نے اسی پانی میں ڈبکی لگا دی۔ سوال یہ ہے کہ اپنے میاں کے قصہ میں اگر میں نہ بولوں گی تو کون بولے گا۔ تم ہی کان کھول کر سن لو کہ خبردار جو میرے ان کے معاملہ میں تم نے دخل دیا۔ شرم نہیں آتی تم کو۔ جوان جہان کنواری لڑکی اور دوسروں کے میاؤں میں دخل دے۔"

نجمہ نے کہا "خدا کی مار تیری زبان پر حد کر دی بے غیرتی کی۔"

ساجدہ نے کہا "ہاں بہن بے غیرتی نہ کروں تو کیا کروں۔ میرے

کوئی رشتہ کے بھائی تو ہیں نہیں، کہ ان کی خوشامد کرتی پھروں کہ آخر اس بھائی بنے رہنے سے کیا فائدہ میاں بن جائیے کہ

آرہی ہے چاہ یوسف سے صدا
ہیں میاں تھوڑے یہاں بھائی بہت

ایک دم سے باہر کمرے میں قہقہوں کی آواز بلند ہوئی تو یہ لڑکیاں ایک دم خاموش ہوگئیں۔ ساجدہ کی تمام تیزی بھی ایک دم ختم ہوگئی۔ یا تو زبان قینچی کی طرح چل رہی تھی یا ایک دم جیسے سناٹے میں آگئی۔ ریحانہ، نرگس اور نجمہ اس دروازے کے پاس پہنچ گئیں۔ جس پر چلمن پڑی ہوئی تھی۔ اور ڈرائنگ روم کا ہر منظر بالکل سامنے تھا۔ نرگس نے نجمہ کے کان میں کہا۔

"کپتان سعید تو وردی کی وجہ سے یوں ہی پہچانے جا سکتے ہیں سفید سوٹ میں ساجدہ کے بھائی جان ہیں۔ وہ سامنے جن کے سر پر اچھا خاصا جنگل ہے بالوں کا اور وہ کریم رنگ کی شیروانی میں میرے بھائی جان ہیں۔ ان کا نام یہ بتائیں گی ریحانہ۔"

ریحانہ نے کہا "اور ساجدہ کے بھائی جان کا نام ان سے پوچھو۔" نجمہ دوڑ کر ساجدہ کو بھی پکڑ لائی۔ مگر قبل اس کے کہ اس سے کچھ پوچھتے۔ ساجدہ نے آتے ہی کہا۔ "میری آنکھوں میں خاک آج تو تمہارے شکیل صاحب انگریزی لباس میں اچھے خاصے ڈاروِن صاحب نظر آرہے ہیں۔"

باہر کی گفتگو اب شباب پر تھی۔ شکیل صاحب اس وقت چہک رہے تھے اور ان ہی کو میر محفل کی حیثیت حاصل تھی۔ گفتگو سے یہ اندازہ تو خیر ہو ہی چکا تھا کہ ان میں سے کوئی بھی ایک دوسرے کے لئے اجنبی نہ تھا۔

سب آپس میں پرانے دوست تھے اور معلوم ہو رہا تھا کہ مدت کے بعد اسطرح یکجا ہوئے ہیں۔ شکیل اسی موضوع پر روشنی ڈالتے ہوئے کہہ رہا تھا۔ "میں تو پہلے ہی عرض کر چکا تھا کہ نہ تم خالی نہ ہم خالی۔ بس سعید ٹھیرے فوجی آدمی بیچارے دوستی نہ نبھائیں تو کورٹ مارشل ہو جائے۔"

سعید نے کہا: "ارے بھائی کتنی مرتبہ معذرت طلب کروں۔ شرمندہ ہونے کو ویسے ہی تیار بیٹھا ہوں۔ قصہ دراصل یہ ہے کہ جب سے کوئٹہ سے لکھنؤ آیا ہوں واقعی سرکاری کاموں کی وجہ سے نجی کاموں کا ہوش نہیں آیا۔"

شکیل نے کہا: "اور آج بھی اگر ہونے والی سسرال کا معاملہ نہ ہوتا تو شاید ہی جناب تشریف لاتے۔"

ساجدہ کے بھائی جان اختر صاحب نے کہا: "خوب یاد آیا، شکیل وہ تمہاری شادی کا معاملہ اب کس منزل پر ہے۔"

شکیل نے کہا: "ابھی تک انشاء اللہ کے دائرے میں چکر کاٹ رہا ہے مگر ہم بھی اس کے قائل ہیں کہ سچ

جذبۂ دل جو سلامت ہے تو انشاءاللہ   کچے دھاگے میں چلے آئینگے سرکار بندھے

ساجدہ نے ایک چٹکی لی تو نجمہ بلبلا کر بھاگی وہاں سے اور اس کے ساتھ ہی سب لڑکیاں چلمن والے دروازے سے ہٹ آئیں۔

ساجدہ نے آتے ہی کہا "بھئی اس نجمہ کا مردوا ہے بڑا باتونی۔"

نرگس نے کہا "اور خود اپنے کپتان صاحب کے متعلق آپ کی کیا رائے ہے؟"

نجمہ نے کہا "وہ بیچارے کس قابل ہیں؟"

ساجدہ نے بات کاٹ کر کہا "ارے ہاں نجمہ ان دونوں کی چوریاں بھی تو سنو۔ یہ جو میری بڑی چہیتی سہیلی بنتی ہیں بی نرگس ان کم بخت کو دیکھو کہ اختر بھائی جان کے علاوہ ان کو کوئی اور جیسے جڑتا ہی نہ تھا۔ میرے ہی گھر پر ڈاکہ ڈالا ہے اور میرے ہی ماں جائے کا دل چرائے بیٹھی ہیں۔ مگر اس کے یہاں بھی اندھیر نہیں ہے۔ بدلہ بھی ایسا ملا ہے کہ واہ ری تیری شان خود ان کے بھائی جان اشتیاق صاحب وہ جو شکیل صاحب کے برابر بیٹھے تھے۔ بش شرٹ پہنے ہوئے ریحانہ کے ایک ہی تیر نظر کے ایسے شکار ہو گئے ہیں کہ ان کا عشق سب سے بازی لے گیا ہے۔"

ساجدہ کی والدہ نے کمرے میں داخل ہو کر اس بے تکلفی کو تکلف میں بدل دیا کہ سب لڑکیاں سنبھل سنبھل کر قاعدہ سے بیٹھ گئیں۔

نجمہ کے لئے یہ دور زندگی نہایت اہم دور تھا۔ مولوی رجب علی صاحب حج بیت اللہ کے لئے ارادہ فرما چکے تھے۔ مگر بیگم صاحبہ نے یہ شرعی پہلو نکال دیا تھا کہ اس وقت تک حج کا ارادہ تکمیل کو نہیں پہنچ سکتا جب تک کہ جوان لڑکی گھر میں بیٹھی ہے اس کی شادی کے فرض سے سبکدوش ہونے کے بعد ہی حج کا ارادہ کیا جا سکتا ہے۔ مولوی صاحب نے ہر چند فرمایا کہ وہ انشاءاللہ ہو ہی جائے گی۔ مگر بیگم صاحبہ مولوی صاحب کے انشاءاللہ سے کچھ ایسی بد عقیدہ تھیں کہ اس کو مولوی صاحب کے تکیہ کلام سے زیادہ اور کوئی وقعت نہ دیتی تھیں۔ بلکہ ان کے لئے یہ بہترین موقع تھا کہ بو میاں کے ٹٹو کو آگے بڑھائیں۔ آخر ایک دن پھر اسی ارادہ سے تفصیلی اور فیصلہ کن گفتگو کرنے کے لئے مولوی صاحب کے کمرہ میں مع پاندان

کے جا پہنچیں۔ مولوی صاحب بھی آخر پولیس کے چھٹے ہوئے تھے،
بیوی کا ارادہ کچھ سنگین نظر آتا ہے اور اس پاندان کے معنی یہ ہیں
کہ اب وہ اطمینان سے بیٹھ کر دماغ چاٹیں گی۔ چنانچہ وہ بھی
جان پر کھیل کر تسبیح ایک طرف رکھ کر متوجہ ہوتے ہوئے بولے:
خیریت تو ہے۔"

بیگم نے بیٹھتے ہوئے کہا "خیریت کیا خاک ہوگی جب کہ تم
یہ ایک سرے سے بھولے ہوئے بیٹھے ہو کہ جوان جہاں شادی کے
قابل لڑکی کے باپ ہو۔ میں یہ پوچھتی ہوں کہ آخر صاحبزادی کو کب
تک گھٹنے سے لگائے بیٹھے رہو گے اور کان کھول کر سن لو کہ
جب تک اس فرض سے سبکدوش نہیں ہوتے ہو۔ حج کرنے
کا ارادہ بھی نہ کرنا۔"

مولوی صاحب نے کہا "حج بھی انشاءاللہ ہوگا اور شادی
بھی انشاءاللہ ہوگی۔"

بیگم نے کہا "اور سب کچھ انشاءاللہ بس اسی طرح ہو جائے
گا کہ بیٹھے انشاءاللہ انشاءاللہ کرتے رہو۔ میں کہتی ہوں کہ آخر
ہو میں کیا خرابی ہے، سمجھا بوجھا گھر کا لڑکا ہے۔ یوں خرابیاں کس
میں نہیں ہوتیں۔ خود اپنی ہی جوانی پر غور کرو کہ میری شادی سے
پہلے وہ کون سی تھی ہوئی۔"

مولوی صاحب نے آنکھیں بند کر کے کہا "تو بڑا رحیم ہے،

تو بڑا کریم ہے۔ نہ میرے گناہوں کا کوئی شمار ہے۔ نہ تیری رحمت کا کوئی اندازہ، تو ہی بخشنے والا ہے"۔

بیگم نے پاندان کھولتے ہوئے کہا "کون کہہ سکتا تھا کہ تم ایک دن بھی کسی شریف گھرانے کی لڑکی سے نباہ کرسکو گے۔ اور شادی کے بعد بھی کون سی کمی کر دی تھی۔ تم نے مشکل سے ایک مہینہ تک ڈھنگ ٹھیک رکھے ہوں گے۔ پھر وہی"۔

مولوی صاحب نے بات کاٹ کر کہا "خیر خیر، تو میرا مقصد یہ ہے کہ عزیزی بو میاں سلمہ کے اطوار کے علاوہ نہ ان کی تعلیمی حالت ایسی ہے کہ وہ نجمہ کے شایانِ شان ہوں۔ نہ اخلاقی حالت ایسی"۔

بیگم نے کہا "بس تعلیمی اور اخلاقی حالت لئے بیٹھے رہو اور ٹالتے رہو یہ قصہ ۔۔۔"

مولوی صاحب نے کہا "سوال یہ ہے کہ آخر شکیل کے لئے تم غور کیوں نہیں کرتیں"۔

بیگم نے جل کر ڈلی کاٹتے ہوئے کہا "پھر وہی شکیل — ہزار مرتبہ کہہ چکی ہوں کہ شکیل کے یہاں سوائے سرکاری نوکری کے اور دھرا ہی کیا ہے۔ تو یہ کر کے کہتی ہوں کہ سرکاری وظیفوں پر تو صاحبزادے نے تعلیم حاصل کی ہے۔ نوکری کا کیا ہے آج ہے کل ندارد۔ اتنا بھی تو گھر میں نہیں ہے کہ چار دن اطمینان سے بیٹھ کر کھا سکیں۔ اور بیوی کو کھلا پہنا سکیں۔ بو میں سو عیب

سہی مگر مدیحہ کو دیکھو ان کے یہاں "

مولوی صاحب نے فرمایا "نہ صرف روپیہ ہی وہ خوبی ہے کہ تمام عیوب نظر انداز کر دیئے جائیں۔ اور نہ محض غربت وہ عیب ہے کہ تمام محاسن کو بھلا دیا جائے۔ تم کو نجمہ کی افتاد طبیعت کا اندازہ ہونا چاہیئے۔ وہ انشاءاللہ غربت کی زندگی کو باغ بہار بنا دے گی مگر خدانخواستہ محض روپیہ ہوا اور باقی ہر اعتبار سے کوفت ـــ حساس اس قدر ہے کہ "

بیگم نے بات کاٹ کر کہا "اے بس رہنے دو۔ بڑی حساس ہے اور بڑی قابل ہے، آخر میں بھی تو سنوں وہ کون سے لعل جڑے ہوئے تھے تم میں۔ اللہ جھوٹ نہ بلائے تو عیب ہی عیب تھے۔ مگر مر تو نہیں گئی میں نہ کوفت ہوئی نہ کوفتہ سب کہنے کی باتیں ہیں۔ لڑکی ذات کو ان باتوں سے کیا۔"

مولوی صاحب نے فرمایا "اب وہ وقت نہیں ہے۔ نجمہ کو تعلیم دی گئی ہے۔ اس کے لئے ہم کو تعلیم یافتہ شوہر ڈھونڈھنا چاہیئے۔ ورنہ اس بے زبان کا صبر پڑے گا ہم پر۔"

بیگم نے گلوری مولوی صاحب کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا "تو کیا بو پڑھا لکھا نہیں ہے۔ ایک ذرا انگریزی نہیں جانتا اردو تو ماشاءاللہ ایسی فر فر پڑھتا ہے کہ طبیعت خوش ہو جائے۔ شاعری تک کرتا ہے اور پڑھا لکھا نہیں ہے تو ہزاروں روپے کی آمدنی کا

حساب کون کر جاتا ہے آکر"

مولوی صاحب نے ذرا تلخی سے کہا "تم کو صاحبزادہ موصوف کی عام شہرت اور بیرونی نیک نامیوں کا چونکہ علم نہیں ہے۔ لہذا تم اس کو معمولی بات سمجھ رہی ہو۔ میں اپنی صحیح رائے ظاہر کرنے سے گریز کر رہا تھا تاکہ تم کو تکلیف نہ ہو۔ مگر اب مجبوراً کہتا ہوں کہ وہ تو چھٹا ہوا آوارہ ناقابل اصلاح حد تک خراب ہو چکنے والا لڑکا ہے۔ صحبت اس کی خراب مشاغل اس کے بازاری، چال چلن اس کے شرمناک حد تک خراب اور تم مجھ سے کہتی ہو کہ میں اپنی لڑکی کا ہاتھ اس کے ہاتھ میں دیدوں۔ میری زندگی میں انشاءاللہ ایسا ہرگز نہ ہوگا۔ اور نہ آئندہ میں اس ذکر کو سننا چاہتا ہوں۔"

میاں کے بگڑے ہوئے تیور دیکھ کر اب تو بیوی کو بھی ہوش آیا۔ وہ کیا جانتی تھیں کہ یہ مولوی صاحب ایک دم سے قلا بازی کھا کر پھر تھانیدار بن جائیں گے۔ حیرت سے پہلے تو مولوی صاحب کا منہ دیکھتی رہیں اور آخر صرف اسی قدر کہہ سکیں "اچھا تو نہ کرو اس سے پھر کوئی اور ڈھونڈو نا مناسب سا لڑکا۔ مگر یہ نہیں ہو سکتا کہ بہو کے ساتھ نہ ہو اور شکیل کے ساتھ ہو جائے۔"

مولوی صاحب نے فرمایا "جو اس کی مرضی ہوگی۔ انشاءاللہ وہی ہوگا نہ تم کچھ کر سکتی ہو نہ میں کچھ کر سکتا ہوں۔"

بیگم نے چونک کر کہا "کس کی مرضی بجمہ کی؟"

مولوی صاحب نے کہا۔ "نہیں صاحب اس کی مرضی جس کی مرضی کے بغیر ہم اور تم سانس بھی نہیں لے سکتے۔ اس درخت کی ایک پتی بھی نہیں ہل سکتی۔ اس خاک کا ایک ذرہ بھی جنبش نہیں کر سکتا۔"

عین اسی وقت ببو میاں کمرے میں داخل ہوئے۔ "خالہ جان تسلیم آداب عرض خالو جان۔ میں تو تمام گھر میں خالہ جان آپ کو ڈھونڈ آیا۔ یہ انگوٹھی دکھانے لایا تھا۔ دیکھئے کیسا لاجواب ہیرا ہے۔ کیسی آب ہے کیا تڑپ ہے پھر یہ کہ ہے کتنا بڑا۔"

بیگم صاحبہ نے کہا۔ "اے بھیا مجھے بھلا کیا پہچان اپنے خالو جان کو دکھاؤ۔"

ببو نے کہا۔ "خالو میاں بھی کیا جانیں۔ یہ بھی کوئی سرقہ یا نقب زنی کا جرم ہے جس کو خالو جان پہچان لیں۔ اپنے تجربے سے کام لے کر آپ کی دعا سے خالہ جان جواہرات کے معاملہ میں وہ نظر دکھتا ہوں کہ بڑے بڑے جوہری لوہا مانتے ہیں۔ پرسوں ہی کا واقعہ ہے۔ ایک دانہ نیلم کا آگیا تھا۔ کبوتر کے انڈے کے برابر۔ تمام جوہریوں میں کھلبلی سی مچ گئی تھی۔ آخر لالہ گردھاری لال نے لاکر مجھے دکھایا۔ میں نے فوراً ان کو بتا دیا کہ اس کے جگر میں داغ ہے اور اس داغ نے اس کا ناس مار دیا ہے۔ تو مطلب کہنے کا یہ ہے کہ آپ کی دعا سے اتنی سوجھ بوجھ تو اس غلام کو بھی حاصل ہے۔"

مولوی صاحب کو اس سے الجھن ہو رہی تھی۔ لہٰذا وہ بات ٹالنے

کے لئے نماز کے لئے کھڑے ہو گئے۔ ادھر بیگم صاحبہ اپنے عزیز از جان بھانجہ کو ساتھ لیکر اپنے کمرے میں چلی آئیں۔ اس لئے کہ جو باتیں وہ اس وقت بو میاں سے کرنا چاہتی تھیں۔ وہ مولوی صاحب کی موجودگی میں ناممکن تھیں۔ اپنے کمرے میں پہنچ کر اور ہر طرح کا اطمینان کر کے کہ اس وقت یہاں سے قریب بھی کوئی اور نہیں ہے۔ نہایت سرگوشی کے انداز میں بھانجہ سے کہا "ابھی اسی ذکر کے لئے گئی تھی۔ مگر بھیا تمہاری حرکتوں نے تو وہ شہرت حاصل کی ہے کہ کوئی بات خود ان سے چھپی نہیں ہے۔ پھر یہ بھی تو سوچو کہ بچہ آخر میری بھی اولاد ہے۔ مجھے خود تمہاری حرکتیں ایک آنکھ نہیں بھاتیں۔"

بو نے کہا "مگر خالہ جان آپ ہی کے سر عزیز کی قسم یہ تو تمام گزشتہ لغزشیں ہیں اب تو آپ کی دعا سے میں نے ہر بری راہ سے کترانا شروع کر دیا ہے۔ حسنو سے قطع تعلق، گھوڑ دوڑ ختم، کبوتر سب بیچ ڈالے آخر اب اور آپ کیا چاہتی ہیں۔ بقول شاعر ؎

اب اور کیا چاہتا ہے ظالم ترے اشاروں پر چل رہے ہیں

بیگم صاحبہ نے کہا "بس یہی بے تکا پن ہے تمہارا کہ خالو کو ظالم کہہ رہے ہو۔ زبان کے آگے خندق جو ہے۔"

بو نے کہا "وہ تو خیر شاعرانہ بات تھی مگر واقعی بتائیے کہ اب میں اور کیا کر سکتا ہوں۔"

خالہ نے بھانجے کے اور قریب کھسک کر دیر تک نہ جانے کیا سرگوشی کی۔ صرف کبھی کبھی بیو میاں کی گردن ہلتی تھی اور خالہ جان جو اسوقت اداکاری کے تمام کمالات صرف کر رہی تھیں۔ معلوم ہوتا تھا کہ سینما کی اس زمانہ والی کوئی پرچھائی ہیں۔ جب فلمیں گونگی ہوا کرتی تھیں آخر آدھ گھنٹے کے بعد خالہ کا منہ بھانجے کے کان کے پاس سے ہٹا اور بیو میاں نے جاتے ہوئے کہا: ”اب یہی ہوگا اور آپ کے حکم کی حرف بحرف تعمیل ہوگی۔ معلوم نہیں کیا حکم تھا اور کیا تعلیم؟“

نجمہ کی سہیلیوں میں ساجدہ جس قدر تیز اور بظاہر حزدلت سے
زیادہ بے تکلف نظر آتی تھی اسی قدر وہ سنجیدہ اور متفکر بھی ـــــ
اور نجمہ کے لئے جو جذبہ اس کے دل میں ہمیشہ سے موجود تھا اس کا
اندازہ خود بخود نجمہ کو بھی تھا۔ یہی وجہ تھی کہ اپنا دکھ درد اگر کسی سے
کبھی کہہ سکتی تھی تو وہ ساجدہ تھی۔ ساجدہ کی گہری نظروں سے یہ
حقیقت تو خیر چھپ نہ سکی کہ نجمہ اپنے دل میں شکیل کے لئے ایک
امنگ کو نشوونما دے رہی ہے۔ مگر اس سے زیادہ اس کو کچھ
اور معلوم نہ تھا بلکہ وہ منتظر تھی کہ اگر اس مذاق کو کبھی کوئی سنجیدگی
حاصل ہوئی تو نجمہ اس سے کہے بغیر نہ رہ سکے گی۔ حالانکہ اس کو یہ
بھی معلوم تھا کہ نجمہ ان لڑکیوں میں سے نہیں ہے جو ہر اس امیدوار
سے یکساں قسم کی وابستگی پیدا کر سکتی ہیں جن کی نسبتیں آتی ہیں

اس قسم کی لڑکیاں دراصل کسی شخصیت سے وابستگی پیدا نہیں کرتی ہیں۔ بلکہ شوہر کے تخیّل سے ان کی وابستگی ہوتی ہے۔ اب یہ لیبل جس شخص کے بھی لگ جائے نجمہ ان لڑکیوں سے بالکل مختلف واقع ہوئی تھی۔ اس کے احساس کی نزاکت اور اس کے جذبات کی لطافت کا ساجدہ کو اندازہ تھا اور وہ اس قدر اس راز کو پا چکی تھی کہ نجمہ اپنا انتخاب کر چکی ہے۔ مگر یہ انتخاب سرکاری طور پر مستحکم نہیں ہوا ہے۔ یعنی اب تک نجمہ کے والدین کی رائے ظاہر نہیں ہوئی تھی۔ یہی وجہ ہے کہ ساجدہ کو اپنی جگہ پر اضطراب سا تھا کہ کس طرح نجمہ سے اس سلسلے میں گفتگو کر کے کسی نتیجہ پر پہنچ سکے۔ چنانچہ ایک دن وہ موقع نکال کر تنہا ہی نجمہ کے یہاں آموجود ہوئی۔ نجمہ آجکل جس عالم سے گزر رہی تھی اس کا اندازہ صرف اسی کو تھا۔ اور ایسے عالم میں اس کو ساجدہ کا تنہا آجانا کچھ ایسا معلوم ہوا جیسے ڈوبتے کو تنکے کا سہارا مل جائے۔۔ ساجدہ کو دیکھتے ہی دوڑ کر اس سے لپٹ گئی۔

"اری میری ساجدہ آگئی۔ میں اس وقت اگر بادشاہت بھی مانگتی تو مل جاتی۔ دل چاہ رہا تھا کہ کس طرح تم ہی سے مل لوں۔"

ساجدہ نے شرارت آمیز متانت سے کہا۔" مجھے جو صداقت اور طلب صادق کے ساتھ یاد کرتا ہے میں اس سے دور نہیں رہتی۔"

نجمہ نے برجستہ کہا۔" مثلاً کپتان سعید۔"

ساجدہ بھلا شکست کھانے والی تھی۔ فوراً جواب دیا۔
"ہاں طلب صادق تو ممکن ہے۔ مگر خود غرض کے ساتھ طلب کے لئے شرط اول یہ ہے کہ بے لوث ہو۔"
نجمہ نے کان پکڑ کر کہا۔ "تو جیتی میں ہاری ایسی بے حیا کو تیرے فرشتے بھی شرمندہ نہیں کر سکتے۔ مگر آج تم کچھ سنجیدہ سی نظر آ رہی ہو۔"
ساجدہ نے کہا۔" اور نہیں تو کیا میں کوئی آپ کے دربار کی مسخری تو ہوں نہیں کہ۔۔۔ اسے وہی کرتی پھروں کہ کسی وقت سنجیدہ کیوں ہوئی۔"
نجمہ نے کہا: "سوال یہ ہے کہ آخر تم سے کس زبان میں گفتگو کی جائے؟ جو تم آدمیوں کی طرح جواب دو کیسی ضروری بات کتنی ہی سنجیدگی سے کی جائے جواب ایسا ملتا ہے کہ خود شرمندہ ہونا پڑے میں دیکھ رہی ہوں کہ آج تمہارے چہرے پر وہ بشاشت اور وہ بے پروائی نہیں ہے جو تمہارا طرۂ امتیاز ہے۔"
ساجدہ نے کہا۔" اس طرح سے گویا آپ اپنی صلاحیت نظر کا ثبوت دے رہی ہیں حالانکہ میں نے خود کئی مرتبہ کہا ہے کہ تم ماشاء اللہ سمجھدار ہو۔"
نجمہ نے جھنجھلا کر کہا۔" ارے بھئی سنا کہ نہیں کب تک اس قسم کی کتابی اور ادبی گفتگو ہوتی رہے گی۔ موٹے موٹے الفاظ میں

آڑی ترچھی اضافتیں لگا لگا کر آدمیوں کی سی بات کرو اور بتاؤ کہ قصہ کیا ہے ۔"

ساجدہ نے ہنس کر کہا "اب کی ہے تم نے اپنی مادری زبان میں بات چیت تو جواب بھی تم کو شاید ٹھیک مل جائے کہ پریشانی میری اپنی نہیں ہے بلکہ میں تم سے بات چیت کرنے کے بعد اپنے دل کے اس بوجھ کو ہلکا کرنے آئی ہوں ۔ جو تمہاری طرف سے خواہ مخواہ اپنے دل پر لئے ہوئے ہوں ۔"

نجمہ نے تعجب سے پوچھا "میری طرف سے تمہارے دل پر بوجھ، کیا مطلب ؟"

ساجدہ نے کہا "دیکھو بنّے ، مکرنے اور چندرانے کی شرط نہیں ہے اس قسم کے کرتب ادنےٰ قسم کے مداری کیا کرتے ہیں صاف صاف مجھ کو بتاؤ کہ شکیل صاحب کا قصہ کس حد تک پختہ ہے اور کس حد تک خام ہے ۔ اتنا تو خیر میں بھی سمجھ چکی ہوں کہ ان حضرت نے میری بھولی بھالی سہیلی کو اپنا لیا ہے مگر خالہ جان اور خالو جان کے کیا خیالات ہیں ۔ یہ سلسلہ جنبانی باقاعدہ بھی ہو چکی ہے یا نہیں ۔ قصہ دراصل یہ ہے کہ تم ہو اس قدر بے وقوف کہ تم سے مجھ کو ہر وقت یہ ڈر رہتا ہے کہ کہیں نقصان نہ اٹھا جاؤ ۔"

نجمہ نے ادھر ادھر دیکھ کر کہا "خدا کے لئے ذرا آہستہ بولو ۔

برابر والے کمرے میں امی جان موجود ہیں۔ آؤ چلو اوپر کے کمرے میں چل کر بیٹھیں "

ساجدہ نے اٹھتے ہوئے کہا "اوپر چلو یا جہاں جی چاہے مگر اس کے لئے تیار ہو کر چلو کہ آج تمہاری باقاعدہ مرمت کی جائے گی غضب خدا کا کہ اب صاحبزادی اس قابل بھی ہو گئیں کہ ہم سے بھی راز داریاں ہونے لگیں "

اوپر کے کمرے میں پہنچ کر نجمہ نے اطمینان کی سانس لی۔ اب اس کو اطمینان تھا کہ یہاں ان دونوں کی گفتگو سننے والا اور کوئی نہیں ہے۔ آخر جب ساجدہ نے کہا "ہاں بولو" تو اس نے ساجدہ کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر کہا "ساجدہ تم کو معلوم ہے کہ آج تک میں نے تم سے کوئی بات راز میں نہیں رکھی۔ مگر اس قصہ میں اتنی پیچیدگیاں ہیں کہ اب تک میں خود کسی نتیجہ پر نہیں پہنچی ہوں "

ساجدہ نے کہا "میرا خیال صحیح نکلا۔ مجھ کو یہ اندازہ ہو چکا تھا کہ کسی اندرونی کشمکش میں مبتلا ہو۔ یہی وجہ ہے کہ آج خود میں بے غیرت بن کر وہ حالات معلوم کرنے آئی ہوں جو تم کو خود بتا دینے چاہئے تھے۔ ہاں تو کیا پیچیدگیاں ہیں "

نجمہ نے پہلے تو شروع سے آخر تک اپنے خاندانی حالات اس کو سمجھائے۔ اس کے بعد شکیل کے متعلق بتایا کہ اس سے

کن مشکلات کا مقابلہ کر کے تعلیم حاصل کی اور کیا کیا جتن کرنے کے
بعد اب وہ اس قابل ہوئے کہ ڈپٹی کلکٹری کے امتحان کے مقابلہ میں
کامیاب ہو سکا ہے۔ اس کا تنہا عیب، اس کی غربت ہے اور اس
کے مقابلہ پر بو میاں ہیں جن میں سوائے اس کے کوئی خوبی ہی نہیں
کہ روپیہ کی افراط ہے وہ بھی ان کا کمایا ہوا نہیں بلکہ اڑانے سے
جو بچ رہا ہے اس کا ذکر ہے۔ بیوہ کی زندگی پر پوری پوری روشنی ڈالنے
کے بعد نجمہ نے نہایت کرب کے ساتھ کہا "مجھ کمبخت کی وجہ
سے شکیل کو اس پستی میں گرایا گیا ہے کہ اس کا مقابلہ بو جیسے
گھٹیا انسان سے کیا جا رہا ہے"

ساجدہ نے کچھ دیر خاموش رہنے کے بعد کہا۔
"خیر یہ تو ناممکن ہے کہ بو کامیاب ہو سکے۔ اس قسم کے حالات میں
اس قسم کے لوگ اگر بیچ میں نہ آجایا کریں تو ان واقعات کی اہمیت
ہی کم ہو جائے۔ مگر سوال تو یہ ہے کہ خالہ جان کو واقعی کیا ہو گیا ہے؟"
نجمہ نے کہا "ان کو کوئی نئی بات تو ہوئی نہیں ہے۔ زر پرستی
تو ہمارے گھرانے کا آبائی مشغلہ ہے۔ روپیہ پیسہ کے لئے جتنے
قتل ہمارے ننھیال میں ہوئے ہیں شاید ہی کسی خاندان میں کبھی
ہوئے ہوں۔ ان کو تو اس کی ضرورت ہوتی ہے کہ روپیہ کی جھنکار
سن لیں۔ بس پھر نہ کسی عیب میں کوئی عیب ہے نہ کسی مزید ہنر
کی کوئی ضرورت۔ اب یہ حد نہیں تو اور کیا ہے کہ بو کے مشاغل ان

کی نگاہوں کے سامنے ہیں۔ یہ بھی طے ہے کہ میں ان کی سوتیلی لڑکی نہیں۔ بلکہ ان کی ممتا کی براہ راست حقدار ہوں مگر میری قربانی بھی ان کو منظور ہے "

ساجدہ نے کہا "توبہ توبہ، بدیع پر ہم نہایت نفرت انگیز و بیت ہے۔ بہن معاف کرنا وہ تمہاری ماں ہیں۔ مگر مجھے تو جیسے ان سے گھن سی آنے لگی۔ یہ حالات معلوم کر کے، مگر دیکھ لینا کہ اول تو خالو جان ان کی کوششوں کو کامیاب نہ ہونے دیں گے اور اگر خالو جان نے بھی کمزوری دکھائی تو خواہ کچھ بھی ہو مگر یہ طے ہے کہ بو میاں کی دال نہ گلنے دوں گی۔ خدا کی قسم یہ تو جرم ہے۔ میں پوچھتی ہوں مار ڈالنے میں اور اس قسم کی شادی کرنے میں فرق ہی کیا ہے "

نجمہ نے کہا "تم کو معلوم نہیں کہ امی جان کس قدر خطرناک واقع ہوئی ہیں۔ اب اس قسم کے معاملات میں آجکل ابا جان کو رام کرنے کی تدابیر ہو رہی ہیں اور شکیل سے تو ان کو ناچیز ہے حالانکہ وہ جس قدر امی جان کا احترام کرتے ہیں اور ان باتوں کے باوجود احترام کرتے ہیں۔ بو سو مرتبہ مر کر جنم لیں تو بھی ان سے وہ احترام اور وہ خیال ممکن نہیں ہے "

ساجدہ نے کچھ دیر کے لئے کسی خیال میں اپنے کو گم کر کے کہا "اچھا اب تم کو میری ہی قسم ہے جو اس سلسلے میں اپنے کو

ذرا بھی گھلاؤ نہایت اطمینان سے بیٹھی مزے کرتی رہو۔ خالہ جان کے خیالی پلاؤ کو پکنے دو۔ خوب اچھی طرح۔ آخر بس جاکر دیکھنا کہ وہ خود منہ دیکھ کر رہ جائیں گی۔ میں آج ہی بھائی جان کو جاکر اپنی سازش میں شریک کرتی ہوں۔ تاکہ شکیل صاحب کے حالات کا اندازہ بھی ہوتا رہے۔"

نجمہ نے کہا۔ "خدا کے لئے کوئی ہنگامہ نہ پیدا کر دینا۔ رہ گئے ان کے حالات، ان کا اندازہ تم یوں ہی کر سکتی ہو۔ وہاں تو نہ کوئی سازش ہے۔ نہ کوئی داؤ پیچ۔"

ساجدہ نے کہا۔ "خیر مجھے آپ کے مشوروں کی ضرورت نہیں ہے۔ میری اسکیم میں دخل دینے کا آپ کو کوئی حق نہیں ہے۔"

نیچے سے ملازمہ نے آکر کہا۔ "آپ کو امی جان بلا رہی ہیں، چائے تیار ہے۔"

ساجدہ نے چھوٹتے ہی کہا۔ "یوں نہیں یوں کہو سو بیٹھی ناحق بھی ہوئیں کھاتی ہیں امی جان آپ کو بلاتی ہیں!

رخ یہ گیسو ہوا سے ہلتے ہیں
چلئے اب دونوں وقت ملتے ہیں

نجمہ نے کہا۔ ہائے غم بخت تجھ کو زہر عشق تک یاد ہے۔"

ساجدہ نے اٹھتے ہوئے کہا۔ "ضرورت پڑا کرتی ہے اکثر تم

ایسے مریضوں کے لئے فقیر کی جھولی میں سب ہی کچھ ہے پایا۔"
نجمہ نے کہا۔"
اچھا چلئے شاہ صاحب۔ بسم اللہ۔"
دونوں ہنستی ہوئی نیچے اتر آئیں۔"

مولوی رجب علی پنشن لینے کے بعد جب توبہ استغفار کی طرف متوجہ ہوئے تو آپ نے حضرت شاہ عبدالمنان صاحب سجادہ نشین درگاہ حضرت مخدوم سبحان اللہ شاہ رحمتہ علیہ کے دست مبارک پر بیعت فرما کر زادراہ سفر آخرت فراہم کرنا شروع کیا تھا۔ حضرت شاہ صاحب قبلہ سے جو دیوانہ وار عقیدت مولوی صاحب کو تھی وہ ظاہر ہی ہے۔ جس پیر کی کرامت زندگی بھر کے بدترین گناہوں کو یکسر دھو ڈالے اور بندۂ شیطان کو شایان رحمت بنا دے۔ اس سے عقیدت نہ ہوتا کیا معنی۔ مولوی صاحب کے لئے یہ ناممکن تھا کہ حضرت شاہ صاحب قبلہ کے کسی حکم کو کبھی ٹالنے کی جرأت کر سکیں۔ گھر پر حکومت مولوی صاحب ہی کی تھی۔ مگر سکہ شاہ صاحب قبلہ [illegible] تھا۔ اس حقیقت

سے مولوی صاحب کی بیوی سے زیادہ اور کون باخبر ہو سکتا تھا چنانچہ
جب وہ خود ان کو بنو میاں کے سلسلے میں ناکامی نظر آئی تو اب
حضرت شاہ صاحب قبلہ یاد آئے اور یاد بھی اس طرح آئے کہ بنو
میاں کو مولوی صاحب کی شفقتوں کا مرکز بنانے کے لئے اس
روز دیر تک یہی سمجھایا بجھایا کہ تم کچھ اور نہ کرو۔ بس سید ھے
شاہ صاحب کے پاس جاکر بیعت کر لو۔ پھر دیکھو تمہارے متعلق
تمہارے خالو جان کی رائے کیسی بدلتی ہے۔ بنو میاں کے لئے یہ
کیا بڑی بات تھی۔ اعتقادی معاملہ ہوتا تو دل کو ٹٹولتے۔ روح
کا جائزہ لیتے۔ سوچتے سمجھتے بچارتے پھر اپنے کو پیر کے سپرد
کرنے کا فیصلہ کرتے۔ مگر یہاں تو اعتقاداً نہیں بلکہ انتظاماً
مرید ہونے کی ضرورت محسوس کر رہے تھے۔ لہذا دوسرے ہی دن
نہا دھو کر انفعال اور پشیمانیوں کا میک اپ کر کے شاہ صاحب
قبلہ کی خدمت میں حاضر ہو گئے۔ اور رو رو کر اپنے گناہوں سے
توبہ کرنے کے بعد اپنے کو مرید کی حیثیت سے پیش کر دیا۔
شاہ صاحب بے چارے نیک بزرگ اللہ والے وہ کیا جانیں کہ
اس بہروپئے میں کیا ہے۔ تھوڑے بہت پس و پیش کے بعد مرید
کر لیا۔ یہ خبر ایسی نہ تھی کہ مولوی رجب علی صاحب تک فوراً
نہ پہنچتی۔ بنو میاں کے پہنچنے کے پہلے ہی یہ اطلاع ان کو مل گئی
اور وہ نقش حیرت بن کر رہ گئے کہ یہ کیا انقلاب ہے۔ تھوڑی

ہی دیر میں مٹھائی لیئے خود بو میاں بھی آموجود ہوئے اور خالو سے بغل گیر ہوتے ہوئے کہا۔

"خالو جان میری اس بیداری کا باعث آپ اور صرف آپ ہیں رات میں نے آپ کو خواب میں دیکھا۔ دیکھتا کیا ہوں کہ ایک سبزہ زار پر میں گویا بے ہوش پڑا ہوا ہوں۔ مگر اتنا ہوش ہے کہ میں دو آدمیوں کی باتیں مسلسل سن رہا ہوں۔ ایک آپ ہیں اور دوسرے حضرت صاحب قبلہ آپ حضرت صاحب قبلہ سے بار بار فرما رہے ہیں کہ حضور یہ بھی آپ ہی کا غلام ہے۔ آخر یہ کب تک اس عالم میں پڑا رہے گا۔ آپ اگر چاہیں تو اس کو بھی سہارا دے کر اٹھا سکتے ہیں اور راہ سے لگا سکتے ہیں۔ آخر حضرت صاحب قبلہ نے میرا بازو پکڑ کر مجھ کو اٹھایا اور فرمایا کہ بو میاں یہ سہارا پاکر سنبھل چلو۔ فوراً میری آنکھ کھل گئی۔ اور میں نے اپنے بائیں بازو کو جہاں حضرت صاحب قبلہ کا دست مبارک مس ہوا تھا معطر پایا۔ عرصہ سے میں نے عطر نہیں لگایا تھا۔ مگر اعلیٰ درجہ کی حنا کی خوشبو میری ناک میں برابر آتی رہی اور اب تک وہ خوشبو میرے بازو پر موجود ہے۔ سونگھ لیجئے آپ بھی۔"

مولوی رجب صاحب نے بازو سونگھ کر کہا: "سبحان اللہ انشاءاللہ یہ خوشبو تمہاری روح کو بھی معطر کردے گی۔ میاں صاحبزادے مجھ کو تمہاری قسمت پر رشک ہے کہ تم اس کم عمری

میں اس راستہ پر آ لگے۔ جو مجھ کو اب نصیب ہو سکا ہے۔ حضرت کی توجہ قسمت والوں ہی کو نصیب ہوتی ہے۔"

بیوہ نے کہا "خالو جان اور تو خیر کچھ نہیں۔ مگر آج مجھ کو یہ ضرور محسوس ہو رہا ہے جیسے مدت دراز کے بعد کوئی نہا دھو کر ہلکا پھلکا ہو جائے نہ وہ سر گرانی رہے، نہ وہ ضمیر کی ملامت، نہ دل چور رہے، نہ خیالات میں کوئی پراگندگی خواب دیکھنے کے بعد سے تو مجھ پر ایک وجدانی کیفیت طاری تھی۔ اور حضرت صاحب قبلہ نے جس وقت سے غلامی میں قبول فرمایا ہے اس وقت سے یہ عالم ہے جیسے کوئی منزل پر آ کر آسودگی کی سانس لے۔ معلوم یہ ہوتا ہے کہ جیسے سب کچھ مل گیا۔ سب ہی کچھ خالو جان ۔"

مولوی صاحب نے متاثر ہو کر فرمایا "انشاءاللہ اب تمہاری زندگی باغ و بہار بن کر رہے گی۔ میاں گناہ لذیذ چیز ضرور ہے مگر اس کی لذت نہایت سطحی ہوتی ہے۔ دل اس کی لذت کا کبھی قائل نہیں ہوتا۔ ہر گناہ کے بعد خود اپنا ہی دل ملامت کرتا ہے۔ گناہ کی لذت کی انتہا پشیمانی پر ہوتی ہے۔ مگر یہ لذت کچھ اور ہی ہے اس کا لطف دل و دماغ اور روح تک محسوس کرتی ہے۔ اس کی نہ کوئی حد ہے نہ انتہا۔ اس لئے ہر انتہا پر پہنچ کر ایک تازہ امنگ پیدا ہوتی ہے۔ اور یہی امنگ ایک نئی ابتدا کا دروازہ ہمارے سامنے کھول دیتی ہے۔ یہ دروازے یکے بعد دیگرے کھلتے جاتے ہیں۔ فطرت ہمارے

سامنے بے نقاب ہوتی رہتی ہے اور ہم کو خود روز بروز محسوس ہوتا جاتا ہے کہ ہم فطرت کے مجرموں میں سے ہیں۔ یہ فخر روح کو وہ بالیدگی عطا کرتا ہے جو گناہ کی حالت میں مشکل ہی نہیں ناممکن ہے۔ گناہ نام ہے ناجائز ذرائع سے حاصل کئے ہوئے فریب مسرت کا اور پاکبازی نام ہے اس مسرت کا جو انسان کو سراپا مسرت ہی کو اس کا ماحول اور مسرت ہی کو اس کا مزاج بنا دے۔"

بو میاں نے یکایک گھبرا کر کہا۔" نماز کا وقت آگیا خالو جان۔"

مولوی صاحب نے خوش ہو کر فرمایا۔" جزاک اللہ، انشاءاللہ اگر اسی طرح تم کچھ دن پابند رہے تو یہی پابندی تم کو آزاد کر دے گی۔ یعنی پھر وہ تمام باتیں خود بخود ہوتی رہیں گی جن کو تم اس وقت اپنے اوپر عاید کرنے کی کوشش کر رہے ہو۔ نماز کے اوقات ابھی تم کو یاد رکھنا پڑتے ہیں۔ اور کچھ ہی دنوں میں یہ تمہارے معاملات میں شامل ہو جائیں گے۔ وضو کر لو تو جماعت کے ساتھ نماز ادا کر لی جائے۔"

وضو کرنے کے بعد جس وقت مولوی صاحب اور بو میاں نماز پڑھ رہے تھے۔ شکیل یہ تماشا دیکھتا ہوا ادھر سے گذرا اور تیز قدم بڑھاتا ہوا نجمہ کے پاس جا کر بولا۔" اللہ اکبر کیا انقلاب ہے بو میاں اور نماز۔"

نجمہ نے مسکرا کر کہا۔" من خوب می شناسم پیران پارسا را۔"

شکیل نے کہا "مگر یہ معاملہ کیا ہے"

نجمہ نے تعجب سے کہا "کیا اب تک آپ کے یہاں مٹھائی نہیں پہنچی"

شکیل نے اور بھی تعجب سے کہا "مٹھائی؟ کیسی مٹھائی؟"

نجمہ نے کہا "واہ واہ۔ پھر آپ اس نماز کی حقیقت کیا خاک سمجھیں گے۔ ارے صاحب بو میاں آج حضرت قبلہ کے مرید ہوئے ہیں۔ رات کو خواب میں بشارت ہوئی کہ مرید ہو جاؤ۔ چنانچہ ستر چوہے کھانے کے بعد آج یہ بلی حج کو چلی۔

شکیل نے بے پروائی سے ہنس کر کہا "خوب خوب، تو نواب بو میاں بھی ہم لوگوں کیلئے متبرک ہو گئے"

نجمہ نے کہا۔ متبرک نہیں بلکہ تبرک۔ یہ در اصل بڑی چال چلی گئی ہے"

شکیل نے اسی بے پروائی سے کہا "اجی لاحول ولا قوۃ۔ اس قسم کی اوچھی باتوں میں کیا دھرا ہوا ہے: ماموں جان اب ایسے بھی ناسمجھ نہیں کہ وہ ان باتوں کو نہ سمجھ سکیں"

نجمہ نے کہا "آپ کا خیال درست نہیں۔ جس رخ سے ان پر حملہ کیا گیا ہے وہ رخ آجکل ان کا بہت کمزور ہے۔ حضرت صاحب قبلہ کے ایک اشارے پر وہ بڑی سے بڑی قربانی کر سکتے ہیں۔ اگر اس بہروپیے نے حضرت صاحب قبلہ پر قابو پالیا تو اباجان کیلئے

یہ ناممکن ہو جائے گا کہ وہ حضرت صاحب قبلہ کے ارشاد سے منہ موڑ سکیں۔"

شکیل نے اب بھی نہایت اطمینان سے کہا۔ "اور میرا خیال یہ ہے کہ خود حضرت صاحب قبلہ نہایت سوجھ بوجھ کے معقول بزرگ ہیں۔ مجھ کو ان کی یہی بات تو پسند ہے کہ وہ عام تجارت پیشہ قسم کے پیر نہیں۔ بلکہ ایک حد تک صحیح معنوں میں بزرگ ہیں۔ ایک طرف تو ان کی معقولیت اور دوسری طرف ان حضرات کی نامعقولیت سے امید ہے کہ چند ہی دن میں حضرت صاحب قبلہ کو بھی اپنی حرکات سے اسی نتیجہ پر پہنچا دیں گے۔ جس نتیجہ پر دراصل ان کو پہنچنا چاہئے۔ اس قسم کے ڈھونگ زیادہ عرصہ تک نہیں چلا کرتے تم تو بہت جلد پریشان ہو جایا کرتی ہو۔ ذرا تماشا تو دیکھو کہ ہوتا کیا ہے۔ چال تو یقیناً بہت اچھی ہے۔ مگر اس کے لئے جس معیار کی اداکاری کی ضرورت ہے وہ اس اناڑی کے بس کی بات نہیں۔"

نجمہ نے کہا۔ "مجھے تو آثار اچھے نظر نہیں آتے اور آپ کا اطمینان اور بھی میرے اضطراب کا سبب ہے۔"

شکیل نے خندہ پیشانی کے ساتھ کہا۔ "نجمہ اگر صداقت کوئی چیز ہے اور حق کی فتح کی تم دل سے قائل ہو تو جو کچھ ہو رہا ہے اس سے قطعاً گھبرانے کی ضرورت نہیں۔ یہ باطل سوائے شکست کے

اور کچھ نہیں۔ اس قسم کے بہروپ کبھی بھی مستقل ہوئے ہیں۔ میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ میرا دل مطمئن ہے۔"

نماز ختم ہو چکی اور بنو میاں اپنے اس انقلاب کی رو داد خالہ جان کو نہایت عقیدت سے سنا رہے تھے۔

ساجدہ اور نجمہ کی ملاقاتیں یوں تو ہوتی ہی رہتی تھیں۔ مگر آج کل نجمہ کا زیادہ وقت ساجدہ ہی کے یہاں گزرتا تھا۔ اس لئے کہ اختر اور نرگس کی شادی کی تاریخ قریب تھی اور اس سلسلے کے انتظامات کو سرانجام دینے کے لئے ساجدہ کی والدہ نے نجمہ کو گویا ان کی والدہ سے مانگ رکھا تھا۔ نجمہ کے متعلق یہ سب ہی کو معلوم تھا کہ اس میں انتظامی سلیقہ غیر معمولی طور پر بہت زیادہ ہے۔ چنانچہ سچ پوچھئے تو اس شادی کے تمام انتظامات کی انچارج دراصل نجمہ ہی تھی۔ ساجدہ کی والدہ نے کنجیاں تک اس کے سپرد کر کے صرف اتنا بتا دیا تھا کہ بیٹی یہ ہے اس شادی کا بجٹ۔ اب جو تمہارا جی چاہے کرو۔ دلہن کے لئے چوتھی کے جوڑے سے لے کر چڑھاوے کے زیور تک اور دولہا کی برات سے لے کر دعوت ولیمہ تک

کے انتظامات اس حسن و خوبی سے بجھہ کر رہی تھی کہ ساجدہ کی والدہ کے علاوہ بعض اوقات تو اس سلیقہ اور خوش انتظامی پر ساجدہ کے والد بھی حیران ہو کر رہ جاتے تھے۔ ہر چیز اچھی سے اچھی اور ہر خرچ کم سے کم یہی انتظام کی خوبی ہے۔ حد یہ ہے کہ اس کا تو جی چاہتا تھا کہ باورچیوں سے بھی براہ راست گفتگو کر کے ان کو سمجھائے کہ اس طرح حساب لکھواؤ یہ چیز اتنی آنی چاہیئے۔ مگر بے چاری مجبور تھی۔ ایک تو لڑکی ذات دوسرے نئے نویلے مولوی کی لڑکی قدم قدم پر محرم اور نامحرم کا خیال۔ آواز تک کا پردہ۔ لہذا بیرونی انتظامی خرابیوں کی طرف ساجدہ کے والد کی توجہ مبذول کرا کے رہ جاتی تھی حالانکہ وہ بے چارے اس قدر چہ خفتہ چہ بیدار واقع ہوئے تھے کہ ان کی آنکھوں کا سرمہ کوئی چرا کر لے جائے تو بھی شاید ان کو خبر نہ ہو۔ جب بجھہ ان کو سمجھاتی کہ خالو جان آپ نے اس انتظام میں یہ غلطی کی ہے اور آپ کا یہ انتظام یوں نہیں ہونا چاہیئے تھا وہ حیرت سے آنکھیں پھاڑ کر اور منہ کھول کر رہ جاتے تھے کہ صاحب یہ لڑکی ہے یا قیامت۔ اس کو تو مرد بنکر پیدا ہونا چاہیئے تھا تاکہ انتظام الدولہ کا خطاب ملتا۔"

اس پر ساجدہ کی والدہ کہتیں "اور ایک ہماری صاحبزادی ہیں کہ انتظامی شعور ذرا بھی ہو۔"

ساجدہ بگڑ کر کہتی "تو میں نے کب کہا تھا کہ مجھ کو صاحبزادی

بنایئے۔ نجمہ ہی کو بنا لیجئے نا صاجزادی۔"

میاں بیوی دونوں ہنس دیتے اور نجمہ کے انتظامات جاری رہتے ایک دن نجمہ، چاول، گھی، میوہ، زعفران وغیرہ کو تلوا کر اپنے سامنے رکھوا رہی تھی کہ ڈیوڑھی سے آواز آئی — "سواری اتروالو" ساجدہ یہ سمجھ کر دوڑی کہ شاید غزالہ یا اس کی کوئی اور سہیلی آئی ہوگی۔۔ مگر آئی تھیں نجمہ کی والدہ، ساجدہ نے ادب سے تسلیم کر کے ان کو اپنی والدہ کے پاس پہنچا دیا۔ ساجدہ کی والدہ بڑھ کر گلے ملیں اور ہنس کر کہا۔

"واہ بہن واہ! میں تو سمجھی تھی کہ اس موقع پر میرا ہاتھ بٹاؤ گی مگر آج صورت دکھائی۔ خیر مجھے بھی تمہاری تو کیا سچ پوچھو تو خود اپنی بھی ضرورت نہیں۔ اللہ رکھے نجمہ سے بڑھ کر کوئی کیا انتظام کرے گا۔ میری آنکھوں میں خاک ایسی سگھڑ لڑکیاں کم سے کم میری نظر سے تو گزری نہیں۔ سچ سچ جو مجھے ذرا بھی کوئی فکر ہو ہر کام کا انتظام اس نے اپنے ہاتھ میں لے رکھا ہے اور جو کچھ کر رہی ہے وہی کر رہی ہے۔"

نجمہ کی والدہ نے کہا "بڑی قسمت والی ہو بہن کہ تمہارے یہاں آکر نجمہ نے ہاتھ ہلایا کسی کام میں۔ گھر پر تو مجال کیا کہ ناک پر بیٹھی مکھی بھی صاحبزادی اڑالیں۔"

ساجدہ کی والدہ بولیں "تابھی نا مجھے تو اس بات کا یقین

نہیں آسکتا۔ جب کہ میں خود اپنی آنکھوں سے دیکھ رہی ہوں کہ اس کے سلیقے نے اپنا کلمہ ہر ایک سے پڑھوا لیا ہے۔ تمہارے بہنوئی تو اس کی انتظامی قابلیت دیکھ دیکھ کر سکتے میں آجاتے ہیں۔ جس گھر جائے گی۔ اس کو گلزار بنادے گی یہ لڑکی۔"

نجمہ کی والدہ نے ایک ٹھنڈی سانس بھر کر کہا "یہ سب قسمت کی باتیں ہیں۔ بہن مجھے تو سوتے جاگتے ہر وقت اس کی شادی ہی کی فکر ہے اور باوا جان ہیں صاحبزادی کے کان پر جوں تک نہیں رینگتی۔"

ساجدہ کی والدہ نے کہا "مگر میں نے تو سنا تھا کہ کہیں بات چیت طے ہو چکی ہے۔ گھر ہی کا لڑکا ہے۔"

نجمہ کی والدہ نے منہ بنا کر کہا "طے تو سب کچھ ہے مگر بڑے جھگڑے پڑے ہوئے ہیں۔ اصل میں تمہارے بہنوئی کو لڑکا پسند نہیں ہے حالانکہ اللہ کا دیا اس کے پاس اتنا روپیہ ہے کہ اگر دونوں ہاتھوں سے بھی لٹائے تو بھی زندگی بھر کوئی تنگی نہیں ہو سکتی وہ یہی کہتے ہیں کہ لڑکے میں ذرا شوقینیاں زیادہ ہیں۔ بات یہ ہے بہن کہ نہ کوئی ذمہ داری ہے نہ کسی کا دباؤ۔ پھر یہ کہ روپیہ بھرا ہوا ہے۔ ھر میں کوئی بھی ہو اپنے قابو میں نہیں رہ سکتا۔ آج کل کے لڑکوں میں جو خرابیاں پیدا ہو جاتی ہیں۔ وہ اس میں بھی ہیں شادی ہو جائے گی تو صاحبزادے راہ راست پر آجائیں گے۔"

ساجدہ کی والدہ نے کہا "اور ماشاءاللہ پڑھا لکھا کہاں

تک ہے؟"

نجمہ کی ماں بولیں "بس یہی تو ذرا کمی ہے۔ اس نے اردو مڈل تک پڑھ کر چھوڑ چھاڑ دیا تھا۔ بات یہ ہے کہ کوئی نوکری تو کرنا ہے نہیں اس کو وہ خود سو پچاس کو نوکر رکھ سکتا ہے۔"

ساجدہ کی والدہ نے سنبھل کر بیٹھتے ہوئے کہا "اردو مڈل اور نجمہ سے شادی۔ کیا کہہ رہی ہو بہن۔ ہیرے کو پتھر سے پھوڑنے کا ارادہ ہے کیا؟"

نجمہ کی ماں نے کہا "پڑھ لکھ کر کرتا کیا یہی ناکہ نوکری کرتا۔ روپیہ کماتا۔ جب روپیہ ویسے ہی موجود ہے تو تعلیم کی کمی میں کیا عیب ہے۔ اللہ نہ کرے اسے کسی کی غلامی تو کرنا ہے نہیں۔"

ساجدہ کی ماں نے بدستور حیرت سے کہا "کیسی باتیں کر رہی ہو بہن۔ تعلیم صرف نوکری کے لئے تو ہوتی نہیں۔ کم سے کم اتنی تعلیم تو ہو کہ بات کرنے اور بات سمجھنے کا سلیقہ انسان میں پایا جا سکے۔ ایسی اللہ رکھے ذہین اور سمجھدار لڑکی اور اس کے لئے لڑکا تم تجویز کر رہی ہو مڈل تک پڑھا ہوا، نا بہن نا۔ برا مانو یا بھلا مجھے تو تمہارا انتخاب ذرا بھی پسند نہیں پھر یہ کہ تم کہتی ہو کہ صاحبزادے شوقین مزاج بھی ہیں۔ اس کا مطلب تو یہ ہوا کہ جان بوجھ کر لونڈیا کو کنوئیں میں جھونک رہی ہو۔"

نجمہ کی والدہ نے سمجھاتے ہوئے کہا "تم نہیں جانتی ہو۔ بہن

ہمارے یہاں خاندان کے باہر شادیاں نہیں ہوتی ہیں اور خاندان میں یہ حال ہے لڑکوں کا کہ اپنے پیٹ کی روٹی تک کا سہارا نہیں شادی کس بوتے پر کریں گے۔ ہاں پڑھے لکھے۔ بہت چل جائیں گے۔ مگر کیا تعلیم بیوی کے لئے بچھائیں گے۔ اس کو اوڑھائیں گے یا چٹائیں گے۔ آخر کیا کریں گے۔ زیادہ سے زیادہ یہی نا کہ دو تین سو کی نوکری مر مر کر مل جائے گی۔ مگر اس میں تو پوری پڑ نہیں سکتی ہے۔"

ساجدہ کی ماں نے کہا۔" میں نے تو سنا تھا کہ اور ایک لڑکا ہے تمہارے گھر میں جو ماشاء اللہ ڈپٹی کلکٹر چن لیا گیا ہے اس میں آخر کیا عیب ہے؟"

نجمہ کی ماں نے کہا۔" سو عیبوں کا ایک عیب یہ کہ بس ظاہری ٹیپ ٹاپ ہے۔ سرکاری وظیفوں پر تو صاحبزادے کو تعلیم ہوئی ہے گھر میں اتنا بھی تو نہیں کہ ایک مہینہ بھی بغیر نوکری کے چین سے بیٹھ سکیں نوکری کا کیا ہے۔ پرائی غلامی آج ہے کل نہیں ہے۔"

ساجدہ کی ماں نے کہا۔" غضب کر رہی ہو، ڈپٹی کلکٹری کس کو نصیب ہے۔ اس وقت سرکاری وظیفوں پر وہی لڑکا پڑھتا ہے جو پڑھنے میں ایسا ہی تیز ہو۔ اور یہ اس کی قابلیت ہی تو ہے کہ غربت میں تعلیم حاصل کر کے مقابلے کے امتحان میں بیٹھا اور اتنا بڑا عہدہ کسی سفارش سے نہیں بلکہ اپنے بل بوتے پر حاصل

کرلیا۔ ایسے لڑکے تو چراغ لے کر ڈھونڈے جائیں اور نہ ملیں۔"

نجمہ کی والدہ اس معاملہ میں چونکہ کوئی مضبوط استدلال پیش نہیں کر سکیں۔ لہذا ہر جگہ جہاں یہ بحث پیدا ہو جاتی ہے آخر میں گول ہو جایا کرتی ہیں۔ چنانچہ اس وقت بھی بات ٹل گئی اور شادی کے انتظامات کی تفصیلات کا ذکر چھیڑ کر اس بحث ہی کو ختم کر دیا۔ خیر یہ باتیں تو کسی اور وقت اطمینان سے ہوں گی۔ ذرا میں بھی تو دیکھوں کہ کیسے جوڑے بنے ہیں۔ زیور کیا کیا بنوائے ہیں۔"

ساجدہ کی والدہ نے کہا۔" میں کیا جانوں، دولہا کی بہن کے ہاتھ میں سارا انتظام ہے۔ سچ سچ بہت سی باتیں تو مجھے معلوم نہیں ہیں۔ نجمہ ہی کو معلوم ہے۔ اسی کو بلا کر جو کچھ دیکھنا ہے، دیکھ لو۔ بلکہ آؤ ذرا اس کے انتظامی کارخانہ کی تو سیر کرو۔"

دونوں بیگمات شہ نشین سے اٹھ کر مکان کے اس حصہ میں پہنچیں۔ جہاں نجمہ کی حکومت تھی۔ اور نجمہ دیہات سے آئے ہوئے گھی کے کنستروں کو جوش دلوا کر اور چھنوا کر دوسرے صاف پیپوں میں رکھوا رہی تھی۔ اور ساجدہ اس کے ساتھ تھی۔ ماں کو دیکھ کر نجمہ نے کہا۔" آیئے امی جان چلیں آپ کو دلہن دولہا کے جوڑے، زیورات وغیرہ دکھاؤں۔ دیکھو نیبتین اس گھی کو جوش دے کر علیحدہ رکھنا۔ میں آ کر پہلے وزن کرادوں گی۔ پھر رکھا جائیگا یہ کہہ کر وہ اٹھی اور اس بڑے کمرے میں پہنچی جس کو اس نے

اچھا خاصا عجائب خانہ بنا رکھا تھا۔ ہر چیز اپنی جگہ پر سلیقہ سے سجی ہوئی تھی۔ چوتھی کا جوڑا دکھاتے ہوئے نجمہ نے کہا "کار چوب والے کو اس کا ڈیزائن میں نے خود دیا تھا۔ نرگس کے پھولوں کا مطلب ہے نرگس سے جو دلہن کا نام ہے اور ستاروں کا مطلب ہے اختر یعنی دولہا۔ ان ہی دو چیزوں سے مل کر اس ساری کا تمام کام بنا ہے۔"

ساجدہ کی والدہ نے کہا۔ "اے ہے بیٹی یہ شاعری تو میں کبھی بھی نہیں۔ دلہن پھول۔ ستارہ دولہا۔ بات تو بڑی اچھی پیدا کی ہے۔"

نجمہ نے اسی طرح ایک ایک کر کے تمام جوڑے تمام زیور اور ایک ایک چیز ان کو دکھا دی اور آخر میں ان سے کہا۔

"اب آپ لوگ جائیں میرے پاس اتنا کام ہے کہ میں اب زیادہ وقت آپ کو نہیں دے سکتی۔"

ساجدہ کی والدہ ہنستی ہوئی نجمہ کی والدہ کے ساتھ پھر اپنی شہ نشین میں آ کر بیٹھ رہیں۔

بنو میاں کا تقدس اللہ اکبر۔ جس رفتار سے وہ چلے ہیں۔ اس کا مطلب تو یہ ہے کہ گرو گڑ ہی رہ جائیں گے۔ چیلہ شکر بن جائیگا ہر وقت وضو اور طہارت کا خیال۔ اولیاء اللہ کے تذکرے۔ مشائخ کی داستانیں، زیادہ سے زیادہ طبیعت گدگدائی تو قوالوں کو بلا کر ان سے کچھ سن لیا۔ کچھ ناچ کود لئے۔ ہر وقت خالو جان پر اپنی روحانیت کا سکہ جمایا جا رہا ہے۔ آج خواب بیان ہو رہا ہے کل بشارت گڑھی جا رہی ہے۔ داڑھی بھی چھوڑ دی گئی ہے اور معلوم یہ ہوتا ہے کہ ؎

اگ رہا ہے ترے رخسار پہ سبزہ غالب
تو ہے مسجد میں ترے رخ پہ بہار آئی ہے

ارادہ تو یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ کاکلیں بھی شانوں پہ بل

کھانے لگیں۔ اس لئے کہ مدت سے بال ترشوانے کا مشغلہ بھی ترک کر رکھا ہے۔ کبھی شاہ صاحب قبلہ کے دربار میں دست بستہ سراپا اعتقاد بنے بیٹھے ہیں تو کبھی خالو جان کی سرکار میں اپنے اس اعتقاد کی تفصیلات مجذوبانہ انداز سے بیان ہو رہی ہیں۔ بات بات پر الا اللہ کے نعرے بے بات کی بات پر احمقانہ وجد، شروع شروع میں تو مولوی صاحب یہی سمجھتے رہے کہ صاحبزادے واقع ہوئے ہیں کم ظرف اس تیز شراب کے متحمل نہیں ہو سکتے۔ ابلی پڑتی ہے یہ شراب۔ پھر خیال ہوا کہ بیوقوف تو بیوقوف۔ پہلے دنیاداری میں حماقت آشکار تھی۔ اب مذہبی سلسلے میں حماقت جلوہ ریز ہے۔ جس طرح سرکاری قسم کے لوگ خطاب حاصل کرنے کے لئے حاکموں کی خدمت میں ڈالیاں لگائے رہتے ہیں۔ پارٹیاں فرماتے رہتے ہیں۔ اسی طرح ہمارے بیوقوف میاں آجکل حضرت صاحب قبلہ کی دعوت کر رہے ہیں۔ بیچارے سیدھے سادے اللہ والے شروع میں تو یہی سمجھے کہ وہ روپیہ جواب تک مفت خور مصاحبوں پر صرف ہوتا تھا اور بہت سے ناجائز امور پر خرچ کیا جاتا تھا۔ اب اس طرح صرف ہو رہا ہے تو خیر اس میں کوئی مضائقہ نہیں صرف ہونے دیا جائے تاکہ اس سلسلہ کی پابندی اس نو گرفتار اعتقاد کو اور بھی پریشان نہ کر دے۔ مگر جب یہ سلسلہ بڑھتا ہی چلا گیا تو آخر ایک دن جب

کہ مولوی رجب علی صاحب بھی حلقہ میں حاضر تھے حضرت صاحب قبلہ نے بو میاں کو مخاطب کیا۔

بو میاں میری سمجھ میں ایک بات نہیں آئی کہ آخر تم روپیہ کے اس قدر دشمن کیوں ہو۔ اس میں شک نہیں کہ انسان کا سب سے بڑا دشمن روپیہ پیسہ ہے مگر تم تو اس حقیقت کو سمجھے بغیر روپے کے دشمن بن بیٹھے ہو۔ تم کو اللہ تعالیٰ نے جو روپیہ دیا ہے۔ اس کے ہزاروں نیک مصرف ہیں اس کی راہ میں صرف کرنا چاہو تو بے شمار ذرائع مل سکتے ہیں، مذہبی نقطہ نظر سے دولت مند کی دولت ایک امانت ہے اور دولت مند اس کا خدا تعالیٰ کی طرف سے امین۔ سامنے کے ذرائع تو زکوٰۃ وغیرہ کے ہیں اور اگر ان سے بھی روپیہ بچ رہے تو بہت سے اور ایسے کام نکل سکتے ہیں جن سے خلق اللہ کو فائدہ پہنچے۔ مثلاً مدارس کھلواؤ۔ مدارس میں دینیات کی تعلیم کا انتظام کرو۔ مسافر خانے تعمیر کراؤ۔ کنویں بنواؤ۔ مختصر یہ کہ ہزاروں فیض اس روپے سے پہنچا سکتے ہو۔ اپنے پیر کو کھلانے میں کوئی ثواب نہیں ہے ایک بھوکے کو کھلا کر تم زیادہ ثواب کما سکتے ہو۔"

بو میاں مرشد کے ارشادات بغور سنتے رہے اور سمجھے تو صرف یہ کہ فوراً اعلان کر دیا "ارادہ ہے حضور کی خانقاہ عالیہ میں ایک سماع خانہ اپنی طرف سے تعمیر کرا دوں۔ اس سلسلے میں خواب

بھی دیکھ چکا ہوں کہ جیسے میں اس جگہ بیٹھا ہوں جہاں حضور قوالی سنا کرتے ہیں کہ یکایک موسلا دھار بارش شروع ہو گئی۔ میں نے حضور پر سایہ کرنے کے لئے چھتری تان لی تو حضور نے متبسم ہو کر فرمایا کہ بیو تیرے امکان میں تو یہ بھی تھا کہ چھتری کے اس عارضی سایہ کی بجائے مستقل طور پر انتظام کر دیتا کہ سب ہی بارش سے بچ سکتے۔ چنانچہ میں نے اسی وقت حضور سے وعدہ کیا ہے کہ میں سماع خانہ تعمیر کرادوں گا۔ حضور نے ہاتھ کی چند جنبشوں سے وہیں پر سماع خانہ کی پوری عمارت گویا تعمیر کردی ہے۔ اور مجھ سے ارشاد ہوا ہے کہ دیکھو ایسا نقشہ چاہتا ہوں میں نے عرض کیا کہ حضور یہ عمارت بن گئی۔ ارشاد ہوا کہ یہ عمارت نہیں بلکہ اس کا تخیل ہے۔ بس اس کو ذہن میں رکھو۔ اس کے بعد ہی وہ عمارت غائب ہو گئی اور کھلا ہوا میدان رہ گیا۔ مگر میرے ذہن میں اس کا نقشہ اب تک موجود ہے اور میں طے کر چکا ہوں کہ یہ سماع خانہ انشاءاللہ ضرور تعمیر ہو گا۔"

مولوی رجب علی صاحب نے فرمایا "انشاءاللہ"۔

حضرت صاحب نے فرمایا "خواب دیکھا ہے تو ضرور تعمیر کراؤ۔ سماع خانہ میں منع نہیں کرتا۔ مگر اس ضرورت سے کہیں زیادہ یہ ضروریات ہیں کہ اس مرتبہ بارش نے بہت سے غریبوں

کو خانماں برباد کر دیا ہے۔ بہت سی بیواؤں کے مکانات گر گئے ہیں اور بہت سے خدا کے بندوں کے سر چھپانے کے لئے کوئی جگہ باقی نہیں رہی ہے۔ وہ روپیہ جو اس سماع خانہ کی تعمیر میں صرف ہوگا۔ اگر پانچ غریبوں کے گرے ہوئے مکانات کو ان کے رہنے کے قابل بنا دے تو اس کارِ خیر کی قیمت اس سماع خانے کی تعمیر سے کہیں زیادہ ہو سکتی ہے۔"

مریدوں نے ہم آواز ہو کر کہا۔ "سبحان اللہ۔"

بو میاں نے سراپا اعتقاد بن کر کہا۔ "وہ بھی سہی اور یہ بھی سہی حضور کے ارشاد کے مطابق پانچ غربا کے مکانات کی مرمت فوراً ہو جائے گی۔"

مولوی رجب علی صاحب نے فرمایا۔ "انشاء اللہ۔"

ایک اور مرید نے کہا۔ "حضور ہمارے بو میاں صاحب تو فرماتے ہیں کہ میری تمام دولت ایک طرف اور اس دور کی غلامی ایک طرف، جو پلہ اسی طرف کا بھکاری رہے گا۔"

حضرت صاحب نے فرمایا: "اس قسم کی باتیں اگر صرف کبھی کبھی جائیں اور کبھی نہ جائیں تو زیادہ دقیع ہو سکتی ہیں۔ بو میاں ابھی تازہ شکارِ عشق ہیں۔ میرے نزدیک ان کا عشق ابھی معتبر نہیں ہے۔ یہ در اصل فی الحال اس عالم میں ہیں۔ جس کو عالم کشمکش کہنا زیادہ مناسب ہوگا۔ تخریب ان کی فطرت اور ان کا

مزاج بن چکی ہیں اور تعمیر ان کا عزم ہے۔ عزم اور عادت میں رسہ کشی ہو رہی ہے۔ قفس کے اور ضمیر کے درمیان زور آزمائی کا سلسلہ جاری ہے۔ اگر ان کا انقلاب بے لوث اور بے غرض ہے اور محض تبدیلی آب و ہوا کے لئے اس رنگ میں نہیں آئے ہیں تو اللہ تعالیٰ ان کو استقامت عطا فرمائے گا۔"

مولوی رجب علی صاحب نے فرمایا" انشاءاللہ"

ببو میاں نے آنکھیں بند کر کے کچھ رقت آمیز گلوگیر آواز سے فرمایا "اب تو حضور اس غلام کو اسی در سے وابستہ کر دیں مجھ کو دنیا اگر اپنی طرف کھینچنا بھی چاہے تو نہ کھینچ سکے۔"

حضرت پیر صاحب نے فرمایا" میاں اس سلسلے میں پیر کی دعا سے زیادہ خود اپنا ارادہ کام کرتا ہے۔ اگر تم اسی ارادہ پر جم جاؤ تم کو دنیا اپنے مقابلے میں نہایت کمزور نظر آئے گی۔ مگر ارادہ شرط ہے اور ارادہ کی صداقت اصل چیز ہے۔"

ایک مرید نے کہا" بے شک۔"

حضرت صاحب نے اس مرید کی طرف دیکھتے ہوئے کہا" احسان شاہ تم بے شک کیا کہہ رہے ہو۔ یہ نہ سمجھنا کہ مجھ کو تمہارے حالات معلوم نہیں ہیں۔ کل رات تک کا قصہ میرے علم میں ہے۔ خداوند تعالیٰ ستار العیوب ہے۔ لہٰذا مجھے کوئی حق نہیں کہ میں کسی کے راز افشاء کروں مگر تم کو خود معلوم ہوگا

کہ تم رات کہاں تھے؟"

احسان شاہ نے گھبرا کر کہا: "حضور میں تو بومیاں کے ساتھ حسنو کے یہاں گیا تھا تاکہ اس کو سمجھا کر بجھا کر راہ راست پر لایا جا سکے۔ بو میاں نے فرمایا تھا کہ بظاہر وہ ایک بازاری عورت ہے مگر اس کے سینہ میں سوز و گداز سے بھرا ہوا دل موجود ہے۔ اگر اس تک صداقت کا پیغام پہنچایا جائے تو عجب نہیں کہ وہ گناہ کی پستیوں سے نکل کر ایمان والی ہو جائے۔"

حضرت صاحب نے ترش لہجہ میں فرمایا: "خاموش رہو احسان شاہ۔ بو میاں تم خود کو احسان شاہ کے اس بیان کے آئینہ میں دیکھ سکتے ہو، میں جانتا تھا اور جانتا ہوں کہ چور جب چوری سے تائب ہوتا ہے تو ایرا پھیرا کو اپنا مشغلہ بنا لیتا ہے حالانکہ ابھی تو مجھ کو تمہارے تائب ہونے کا یقین نہیں آتا۔"

بو میاں نے گڑگڑا کر کہا: "یہ نہ فرمائیے حضور، میرا ارادہ بالکل نیک اور میری نیت قطعی پاک تھی۔ میں اس سیاہ خانے میں گیا ضرور تھا۔ مگر ایمان کی روشنی لے کر۔

حضرت صاحب نے متبسم ہو کر فرمایا: "تمہاری اس قسم کی باتوں سے مجھے اطمینان نہیں ہوتا۔ دل سے گفتگو کم کرتے ہو، دماغ سے زیادہ کرتے ہو۔ سیہ خانے میں ایمان کی روشنی لے کر آپ گئے تھے۔ ابھی تو آپ خود درماندہ ہیں شفاعت کیا کریں گے۔

صاف کیوں نہیں کہتے کہ حسرت دیدار کو سیراب کرنے تشریف لے گئے تھے۔ اس مرتبہ تو میں اس کو معاف کرتا ہوں۔ خدا معاف کرے۔ مگر آئندہ میں اس کو برداشت نہ کر سکوں گا۔"

حضرت صاحب تو یہ تنبیہہ فرما کر حجرہ میں تشریف لے گئے مگر بو میاں کا یہ حال تھا۔

کاٹو تو لہو نہیں بدن میں

اس بھری محفل میں ان کی قلعی کھلی تھی اور یہ کم بخت احسان شاہ پیٹ کا ایسا ہلکا نکلا کہ سارا دانہ ہی کھول کر رکھ دیا مصیبت یہ تھی کہ مولوی رجب علی صاحب بھی موجود تھے۔ کیا کہتے ہوں گے وہ اپنے دل میں اب تک کی ساری محنت اور تمام اداکاری پر اس طرح پانی پھر گیا۔ جیسے اسٹیج پر کوئی کامیاب ایکٹر نہایت لاجواب کام کر رہا ہو کہ یکایک ناظرین کے سامنے ہی اس کی مصنوعی مونچھ گر پڑے اور دیکھنے والے صاف دیکھ لیں کہ سکندر اعظم کی بجائے ماسٹر نتھو کھڑے جھینپ رہے ہیں اس طرح بو میاں اس وقت کسی سے آنکھ چار نہ کر سکتے تھے۔

نجمہ کی والدہ نے جب اپنی جگہ پر اطمینان کر لیا کہ بو میاں حضرت صاحب قبلہ کو شیشے میں اتار چکے ہوں گے تو ایک دن وہ بھی ڈولی میں بیٹھ کر خانقاہ میں حاضر ہو گئیں۔ پیر سے پردہ تو ہوتا ہی نہیں پھر وہ بھی اپنا نہیں بلکہ میاں کا پیر، یعنی مجازی خدا کا پیر — اطلاع ہوتے ہی حضرت صاحب قبلہ نے بیگم صاحبہ کو زنانہ مکان میں بلوا لیا۔ بیگم صاحبہ نے کچھ ضرورت سے زیادہ اعتقاد ظاہر کرتے ہوئے حضرت کے پائے مبارک کو آنکھوں سے لگانے کی کوشش ہی فرمائی تھی کہ حضرت نے یہ کہتے ہوئے منع فرمایا "یہ غلط ہے نہ تو یہ اسلامی طریقہ ہے اور نہ اخلاقی حیثیت سے اس قسم کی تعظیم مناسب ہے جس میں تعظیم کرنے والا خود اپنے کو ذلیل کرنے کی کوشش کرے۔ جو خود اپنی تکریم نہ کر سکا وہ دوسرے کی تعظیم

کیا کریگا۔"

بیگم صاحبہ ایک طرف سمٹ کر بیٹھ گئیں اور سنبھل سنبھل کر کہنے کی کوشش کی۔"حضور میں ایک عرض لے کر آئی ہوں اور خالی ہاتھ اس در سے نہ جاؤں گی۔"

حضرت صاحب نے مسکرا کر فرمایا۔"آپ لوگ پیر کو خدا کا نعوذ باللہ مرتبہ کیوں دیا کرتے ہیں۔ اس قسم کی ضد صرف اسی سے کی جاسکتی ہے اور وہی اس قسم کی ضد پوری کر سکتا ہے میرا کام تو صرف اسی قدر ہے کہ جو میرے نزدیک صحیح راستہ ہے۔ وہ ان کو بھی دکھادوں جو میری بات سنتا اور اس پر عمل کرنا چاہتے ہیں۔ دعا کرنا میرا بھی کام ہے اور آپ کا بھی اس کا جاننے والا تو وہی ہے کہ کس کی دعائیں کس وقت کیا اثر ہوتا ہے۔ پیر کا کام یہ تو نہیں ہے کہ وہ مرید کے دل میں اپنا اعتقاد اس حد تک قائم کرے کہ مرید خدا کو بھی بھول جائے۔ جو مدعا لے کر آپ لوگ میرے پاس آیا کرتے ہیں وہ آخر اس سے کیوں نہیں کہتے جس سے میں خود کہا کرتا ہوں۔"

بیگم صاحبہ کی سمجھ میں یہ باتیں کیا آتیں جبکہ ان کا نظریہ ہی دوسرا تھا۔ وہ نہ حضرت صاحب کی معتقد تھیں نہ ان کی بزرگی کی قائل وہ تو ایک سیاسی چال چل رہی تھیں۔ اور ان کو اس بات کا یقین تھا کہ خدا تو شاید ان کے چکمہ میں نہ آئے۔ لیکن حضرت

صاحب اس فریب اعتقاد میں مبتلا ہو کر مولوی رجب علی صاحب پر زور ڈال سکتے ہیں۔ لہذا بیگم صاحبہ نے کہا "حضور کی توجہ سے بہت کچھ ہو سکتا ہے۔ مجھے آجکل دن رات نجمہ کی شادی کی فکر ہے جوان جہان لڑکی جس گھر میں ہوتی ہے وہاں سکون اور اطمینان اس وقت تک پیدا نہیں ہو سکتا جب تک کہ لڑکی کا رشتہ کہیں ہو نہ جائے۔"

حضرت صاحب نے فرمایا "نجمہ کی شادی؟ ہوں، تو کوئی لڑکا ذہن میں ہے۔"

بیگم صاحبہ نے کہا "ہونے کو تو میری بہن کا لڑکا موجود ہے ببو جس کو حضور کی غلامی کا شرف بھی حاصل ہے۔"

حضرت صاحب نے چونک کر فرمایا "ببو میاں؟ نجمہ کے لئے آخر کیا مناسب ہے دونوں ہیں، ببو میاں کے متعلق اس عرصہ میں جو رائے میں نے قائم کی ہے، وہ صرف یہ ہے کہ نہ تو ان کا دماغی توازن درست ہے نہ اخلاقی توازن درست ہے۔ خود مجھے ان پر قطعاً بھروسہ نہیں نجمہ کے متعلق مجھے معلوم ہے کہ وہ نہایت سمجھدار قسم کی لڑکی ہے اس کی ذہانت اس کی بلند کرداری، اس کی پاکیزہ نفسی، اس کی تعلیمی حالت اس کی اعلیٰ ذہنیت اور اس کی بے حد حساس طبیعت کا خود مجھے اندازہ ہے۔ساتھ ہی ساتھ ببو میاں کی حقیقت بھی مجھ پر روشن ہے۔ اگر نجمہ

کا میں اس حد تک دشمن ہوتا کہ خدانخواستہ اس کی موت کا خواہاں
ہو جاتا تو بیشک میں مشورہ دے دیتا کہ ضرور شادی کر دو۔ مگر
اس وقت تو میری سمجھ میں نہیں آرہا ہے یہ تخیل ہی آپ کے
ذہن میں کیوں کر پیدا ہوا؟"

بیگم صاحبہ کی تمام امنگوں پر تو اسی تقریر نے پانی پھیر
دیا۔ مگر امید کے سہارے اپنی کوشش کو جاری رکھتے ہوئے
کہا۔

"حضور قصہ اصل میں یہ ہے کہ گھر کا لڑکا ہے"

حضرت میاں صاحب نے بات کاٹ کر کہا "کیا واہیات
استدلال ہے گھر کا لڑکا ہے، گھر میں کنواں بھی تو ہوگا، جھونک
دیجئے اس میں لڑکی کو، گھر میں تلوار ہوگی مار دیجئے اسی سے اس
بے چاری کو کیا خوب گھر کا لڑکا ہے"

بیگم صاحبہ نے بدستور اپنی کوشش جاری رکھتے ہوئے کہا
حضور اپنے برے کو اگر ہم ہی نہ سمیٹیں گے تو کون سمیٹے گا۔ دوسرے
میرا خیال یہ ہے کہ اب تو جب سے اس نے حضور کے در کی غلامی
شروع کی ہے، اس کے حالات بالکل بدل چکے ہیں۔ بیو
اب وہ پہلا سا بدھو ہی نہیں رہا۔ ہر وقت یاد خدا ہے نادر
وہ ہے"

حضرت صاحب نے فرمایا "حالات قطعاً نہیں بدلے ہیں۔

کل ہی وہ ایک بازاری عورت کے پاس گیا تھا جس پر میں نے سرزنش کی ہے آپ تو لڑکی کی ماں ہیں۔ آپ کس دل سے یہ کہہ رہی ہیں کہ اپنے پارۂ جگر کو ایک ایسے شخص کے سپرد کر دیا جائے، جو اس موتی کی قیمت ہی نہ جانتا ہو۔ معاف کیجئے گا میرے نزدیک بنو کی دولت آپ کی آنکھوں پر ایسا پردہ ڈالے ہوئے ہے کہ بنو کی کوئی خامی آپ کو نظر نہیں آتی۔ بہر حال میں اس سلسلے میں کوئی مشورہ اگر دے سکتا ہوں تو صرف یہ کہ بے زبان لڑکی کا صبر نہ سمیٹئے اور ایسے جواہر پارے کی یہ قدر نہ کیجئے۔"

حضرت صاحب تو یہ ارشاد فرما کر اور بیگم صاحبہ کو قطعی طور پر مایوس کر کے باہر تشریف لے گئے، مگر بیگم صاحبہ نے اب تک شکست قبول نہیں کی بلکہ اب حضرت کے حرم محترم کو متاثر کرنے کی کوشش کی۔ ان کو تمام نشیب و فراز سے آگاہ کیا کہ بنو میاں کے ساتھ نجمہ کی شادی کیوں ضروری ہے اور اگر یہ شادی نہ ہوئی تو نجمہ کی بدقسمتی کس حد تک ناقابل انکار حقیقت بن جائے گی اور خود بنو کی دولت کس بری طرح ناجائز امور میں صرف ہو کر اس کو مالی اور اخلاقی حیثیت سے تباہ کر دے گی۔ چنانچہ اس حد تک ان بے چاری کو متاثر کیا کہ خود انہوں نے حضرت صاحب کو بلوا کر سفارش کی۔ مگر حضرت نے ان کو بھی بنو میاں کے حالات بتا کر انکار کر دیا۔ اور اب بیگم صاحبہ کے لئے سوائے اس

کے کوئی چارہ نہ رہا کہ وہاں سے ناکام واپس آئیں۔ ببو میاں ان کو اپنے ہمراہ لائے تھے اور جب واپسی میں بیگم صاحبہ نے اپنی اور حضرت صاحب قبلہ کی تمام گفتگو دہرائی تو ببو میاں نے مشتعل ہو کر کہا۔

"خالہ جان اس کی ذمہ داری صرف آپ پر ہے کہ آپ نے میرا روپیہ اور وقت دونوں برباد کیا۔ ورنہ میں تو اس رنگے ہوئے سیار کو پہلے ہی سے خوب سمجھتا تھا۔ بڑا بنا ہوا ہے یہ خبیث بھی۔"

بیگم صاحبہ نے کہا "نا بیٹا بزرگوں کو ایسا نہیں کہتے۔ پھر تم ان کے مرید بھی ہو چکے ہو۔"

ببو میاں نے اپنی اخلاقی بلندی سے کام لے کر کہا۔ اجی کیسا پیر اور کیسا مرید، کہئے تو تمام مریدوں کے سامنے وہ گت بناؤں اس مردود کی کہ تمام تقدس دھرا رہ جائے۔ ڈاکو ہے اچھا خاصا اتنے ہی دنوں میں جتنا میں نے اس کو کھلایا ہے۔ شاید اس کے تمام مریدوں نے زندگی بھر اتنا نہ کھلایا ہوگا۔ ایک سے ایک فاقہ مست چیپچڑ مرید بھرا ہوا ہے۔ اور احسان شاہ کو تو خالہ جان آپ ہی کے سر عزیز کی قسم کتے کی موت ماروں گا۔"

بیگم صاحبہ نے کہا "بری بات ہے بیٹا۔ میں کہتی ہوں کہ کب تجھ کو ہوش آئے گا۔ آخر تو یہ کیوں نہیں سوچتا کہ کچھ خرابیاں تجھ میں بھی ہیں۔ ان خرابیوں کو دور کرنے کی کوشش کیوں نہیں کرتا۔"

ببو میاں نے کہا "آپ سے میں نے وعدہ کیا تھا اور بخدا میں

اس وعدہ پر قائم تھا اور قائم ہوں کہ شادی کے بعد اگر ایک شکایت بھی میری سامنے کسی سے تو جو چور کی سزا وہ میری۔ اول تو اب بھی میں سب کچھ چھوڑے ہوئے ہوں۔ آپ کی قسم ڈیڑھ ڈیڑھ سو روپے کا ایک جوڑا تھا کبوتروں کا میں نے ادھر ادھر بانٹ دیا۔ آپ یقین جانئے نتھے مرزا کل ہی حسنو کا پیغام لے کر آئے تھے کہ اگر ببو میاں اب بھی صورت اپنی نہیں دکھاتے تو میں کچھ کھا کر سو رہوں گی ایک انسان کی جان بچانے کے لئے اگر میں کھڑے کھڑے چلا گیا اس میں آخر ایسی کون سی قیامت ہو گئی کہ پہلے تو تمام مریدوں اور حد یہ ہے کہ خالو جان تک کے سامنے آپ کے سیدی و مولائی صاحب نے مجھ کو ذلیل کیا اور اب آپ سے بھی زہر اگلا۔ اگر کہئے تو میں بھید کھول کر رکھ دوں سارے کس طرح مرید عورتوں کو لئے حجرے میں بیٹھے رہتے ہیں۔ کوئی ۔ ۔ ۔ ۔"

بیگم صاحبہ نے بات کاٹ کر کہا "بس ببو بس خدا لگتی کہوں گی کہ حضرت صاحب اس قسم کے پیروں میں تو ہرگز نہیں ہیں آج ہی میں نے پابوسی کرنا چاہی تو مجھ کو نہایت سختی سے منع کر دیا کہ یہ اسلامی طریقہ نہیں ہے۔"

ببو نے کہا "اجی بڑا گھٹا ہوا ہے۔ اب میں آپ سے کیا کہوں ذرا آپ جوان ہوتیں اور پابوسی کا ارادہ کرتیں تو حضرت خود آپ کی پابوسی کے لئے تیار ہو جاتے۔"

بیگم صاحبہ نے کہا "ارے میں کہتی ہوں لونڈے کچھ حواسوں میں ہے کہ نہیں، لو، اور سنو، یہ خالہ سے بات ہو رہی ہے اور ناک کٹتی تیری ہے؟"

بیو نے کہا "میری ناک کیوں کٹتی۔ کٹتی نہ کٹتی خالو جان کی ناک کٹتی۔ جو اس بہروپیئے کو خدا کا درجہ دیئے بیٹھے ہیں۔ خیر اب آپ مجھ سے کہیے گا کہ میں اس شخص کے پاس کبھی جاؤں ورنہ ساری قلعی کھول کر رکھ دوں گا۔ ان حضرت کی ماسب کے سامنے بڑا آیا ہے وہاں سے پیر بن کر، چغد صحرائی۔"

بیگم صاحبہ نے کہا "اور تو میں کیا کہوں۔ اللہ ہی تمہارے حال پر رحم کرے جو منہ میں آتا ہے، بکتے چلے جاتے ہو، یہ نہیں کہ اپنے ڈھنگ درست کر کے کہنے والوں کا منہ بند کر دیں، غصہ جو آ رہا ہے وہ آخر خود اپنے اوپر کیوں نہیں آتا۔ اپنی حرکتوں پر کیوں نہیں آتا۔"

بیو نے جھنجھلا کر کہا "پھر وہی حرکتیں۔ خالہ جان قسم ہے ابا جان کی روح پاک کی کہ اب آپ کی ان باتوں سے دل آزاری ہوتی ہے۔ ہزار مرتبہ کہہ چکا کہ سب کچھ جھوٹ ہے پھر بھی الزام ہے میرے سر تو اب اس کا کیا علاج ہے میرے پاس۔"

گاڑی دروازے پر آ کر رکی۔ تو بیو میاں بھی خاموش

ہو گئے۔

بیگم صاحبہ گھر میں چلی گئیں ۔۔۔ اور یہ اپنے تاؤ میں
ہی سے سدھار گئے۔

∴

آج اختر کی شادی تھی۔ نجمہ تو خیر اس شادی کی مہتمم اعلیٰ تھیں
مگر دو تین روز سے تو ساجدہ کے یہاں وہ کچر بچر اور وہ شور و غل
تھا، مہمانوں کا تو یہ ہی بھلی ہو کہیے کہ نجمہ کی خوش انتظامی نے
اس ہنگامہ کو غدر کی صورت میں منتقل نہ ہونے دیا۔ ورنہ اس
قسم کی تقریبات میں تو روز محشر کا سا عالم ہوتا ہے۔ اور صاحبان
خانہ کی بدحواسیاں قابل دید ہوا کرتی ہیں۔ انہماک تو نجمہ کا بھی دیدنی
تھا۔ مگر کیا مجال جو تیوریوں پر ذرا بھی بل پڑ جائے۔ یا کسی مہمان
کو کوئی شکایت پیدا ہو، ہر ایک کے آرام کا نہایت معقول انتظام
تھا۔ باہر شکیل نے ایک اپٹوڈیٹ قسم کی برات کا انتظام اپنے
ہاتھوں میں لے لیا تھا۔ چنانچہ پانچ موٹروں کی ایک قطار دروازے
کے سامنے کھڑی تھی، سب سے آگے پولیس بینڈ تھا۔ اس کے

پیچھے اور بزرگوں کے موٹر جن میں اختر کے والد بھی شامل تھے موجود تھے تیسرا موٹر پھولوں سے نہایت خوش سلیقگی کے ساتھ آراستہ تھا، اس میں دولہا، شکیل اور کپتان سعید کے علاوہ اشتیاق بھی موجود تھے۔ اس کے بعد والی کاروں میں دیگر احباب اعزہ تھے۔ آخر کی تین پردہ دار موٹروں میں مستورات تھیں۔ یہ سادہ مگر پر کار برات نہایت صحیح وقت پر اختر کے یہاں سے روانہ ہوکر دلہن کے یہاں جا پہنچی۔ جہاں روشن چوکی کے ترانوں سے برات کا خیر مقدم کیا گیا۔ نرگس کے والد خان بہادر ادریس احمد صاحب دوڑ کر اختر کے والد احسن صاحب سے بغل گیر ہوئے۔ اور نہایت نفاست سے سجی ہوئی بارگاہ میں دولہا کو مسند تک پہنچا دیا گیا۔

زنانہ موٹریں زنان خانے کے دروازے سے لگا دی گئیں۔ اور سمدھنوں کی خالص مشرقی انداز کے ساتھ گالیاں سنوا سنوا کر اور اس سلسلے میں ڈومنیوں کو انعام دلا کر اتارا گیا۔ اور تو سب ادھر سے ادھر منتشر ہو گئیں۔ مگر نجمہ، ساجدہ اور ریحانہ تینوں دلہن بنی ہوئی نرگس کے پاس جا پہنچیں۔ وہاں پہلے ہی سے کچھ لڑکیاں اور کچھ دوسری عورتیں دولہن کو دبوچے بیٹھی تھیں۔ مگر نجمہ نے نرگس کی والدہ کو جاکر سمجھایا کہ اس طرح تو وہ بے چاری پریشان ہوکر رہ جائے گی۔ وہاں سے سب

کو ہٹنا چاہئے تاکہ کمرہ بند کرکے اس غریب کو کچھ تو آزادی دی جائے کہ وہ ذرا کمر سیدھی کرے۔ نرگس کی والدہ نے وہاں سے سب کو ہٹا کر دلہن کے کمرے کا چارج نجمہ کے سپرد کر دیا۔ اور نجمہ نے واقعی پہلے تو دروازے بند کئے۔ اس کے بعد دلہن کے پاس آکر بولی۔ "سنتی ہیں آپ دلہن بیگم اب آدمیوں کی طرح منہ کھول کر بیٹھئے ورنہ مجھ سے برا کوئی نہ ہوگا۔"

ریحانہ نے گھونگھٹ الٹ دیا۔ اور ساجدہ نے کہا "میں آداب بجا لاتی ہوں بھابی جان۔"

نجمہ نے ڈانٹا۔ "چل ہٹ بڑی آئی وہاں سے بھا ہم لوگوں میں کسی قسم کا کوئی رشتہ نہیں ہے۔ ہمارا سب سے مستحکم رشتہ وہ ہے جو اب تک تھا اور جو ہمیشہ رہے گا۔"

ساجدہ نے کہا "اگر یہ بات ہے تو پھر یہ ہم لوگوں کے سامنے دلہن بنی کیوں بیٹھی ہے، ارے بھئی بولو نا منہ سے جو دن تم پر بیت رہے ہیں وہی دیر سویر ہم سب پر بیتنے والے ہیں۔"

دلہن کو بھی اس فقرے پر ہنسی آگئی۔ ریحانہ نے کہا "جواب نہیں ہے ساجدہ کی بے غیرتی کا۔"

ساجدہ نے کہا "سچائی کا نام اگر بے غیرتی ہے تو خیر ورنہ بہن ہوگا وہی جو کچھ کہہ رہی ہوں۔"

نجمہ نے کہا "ارے ساجدہ یہ دروازے شاید باہر کی طرف کھلتے ہیں ذرا بارگاہ کی تو سیر کی جائے"۔

ریحانہ نے کہا "بہت دل بے چین ہو رہا ہوگا، شکیل صاحب کو دیکھنے کے لئے"

نجمہ نے کہا "اور بھی کچھ سنا تم نے نرگس تمہارے بھائی جان آج بھی تمہارے بھائی جان نہ بنے بلکہ اختر بھائی کے دوست ہی بنے رہے سب کے ساتھ براتیوں میں شامل ہو کر آئے ہیں"

اتنی دیر کے بعد نرگس بھی بولی "ان کو معلوم تھا نا کہ ریحانہ بھی آرہی ہیں"

نجمہ نے کہا "جی ہاں"

ناقہ جب بھاگا تو بھاگا نجد سے قبلہ کی سمت
دم کے پیچھے قیس تھا آگے خدا کا نام تھا

ریحانہ اس عرصہ میں مردانہ کی طرف کھلنے والی کھڑکی کھول چکی تھی۔ باہر کا منظر دیکھتے ہی ایک دم بولیں "ارے نجمہ، ساجدہ دیکھو بالکل سامنے ہی تو دولہا کی مسند ہے"

ساجدہ نے نرگس کو بھی گھسیٹا اور اب سب لڑکیاں کھڑکی کے پاس جمع ہوگئیں۔ ریحانہ نے کہا "آج سعید بھی شکر ہے اپنے فوجی لباس میں نہیں ہیں۔ شیروانی اور چوڑی دار پاجامہ میں تو اچھے خاصے بھلے آدمی نظر آتے ہیں"

ساجدہ نے کہا۔" جیسے کچھ بھی ہیں حاضر ہیں۔"

نجمہ نے کہا۔" سن لیا ریحانہ۔ اس کم بخت کے کیوں منہ لگتی ہو"

ریحانہ نے کہا۔" میں کب منہ لگتی ہوں۔ وہ کم بخت خود ہی نیلام پہ چڑھائے ہوئے ہے اپنے میاں کو۔"

ساجدہ نے کہا۔" اے میاں ویاں تو کہتا نہیں فی الحال وہ صرف میرے منگیتر ہیں۔"

نجمہ نے کہا۔" اچھا اچھا سن لیا وہ تیرے منگیتر ہیں ڈھول گلے میں ڈال لے۔ اور ڈھنڈورہ پیٹتی پھر چاروں طرف۔"

ریحانہ نے کہا۔" وکیل اور گواہ آ رہے ہیں۔ شاید اندر شکیل صاحب کو بھی گواہ بنایا گیا ہے کیا۔"

ساجدہ نے کہا۔" جی ہاں اور دوسرے گواہ کا نام بھی تو لیجیے، جن کا تخلص جناب وارفتہ ہوتے ہیں۔ اور یہ وکیل کون صاحب ہیں۔"

نجمہ نے کہا۔" نرگس کے ماموں جان معلوم ہوتے ہیں۔ ہاں وہی تو ہیں عبدالسلام صاحب، چلو نرگس اب تم پر دھاوا ہونے والا ہے۔ سب کا۔ لو دروازے بھی بھڑ بھڑائے جا رہے ہیں۔"

دلہن کو باقاعدہ بٹھا کر نجمہ نے دروازے کھول دیئے اور دروازہ کھلتے ہی معلوم یہ ہوا کہ ایک سیلاب رنگ و بو کمرہ میں امڈ آیا۔ طرح طرح کے ریشموں کی سرسراہٹیں انواع و اقسام کے زیوروں

ں کی جھنکاروں اور مختلف قسم کی خوشبوؤں کا ایک طوفان سا کمرے
میں برپا ہو گیا۔ مگر ابھی اس قیامت نے دم بھی نہ لیا تھا کہ گھر
بھر میں پردہ کرو کا شور اٹھا۔ معلوم ہوا کہ دلہن سے پوچھنے کے
لئے وکیل اور گواہ گھر میں آ رہے ہیں۔ یہ مشکل تمام پردہ اس طرح
ہو سکا کہ بڑی بڑی پردہ دار بیویوں نے اس کو گوارہ کر لیا کہ
خواہ بے پردگی ہو جائے، مگر یہ گوارا نہ کیا کہ موقع واردات سے
ذرا دور پہنچ جائیں۔ سب کے سب مولی گاجر کی طرح ایک ہو کر
ذرا سے پردے میں اس طرح چھپنے لگیں۔ گویا کوئی شاعر جزو
میں کل کے سمانے کا مضمون باندھ رہا ہے اور وہ بھی ایک ہی
مصرعہ میں۔ اس وقت کسی کو خبر نہ تھی کہ یہ جو ٹانگیں ہمارے
جسم میں آویزاں ہیں یہ کس کی ہیں اور خود ہمارے ہاتھ کس کے
جسم میں فٹ کر دیئے گئے ہیں۔ کسی کو یہ تو ہوش ضرور تھا۔
کہ چہرہ خود ہمارا ہے، مگر کس کے سر پہ ہمارا دھڑ لگا ہوا ہے اس
کا جاننے والا اس وقت صرف وہ عالم الغیب تھا۔ مختصر یہ کہ اس
وقت یہ معلوم ہوتا تھا۔ گویا نکاح کے بہانے سے ایٹم بم کا کوئی
اور معطر رنگین تجربہ کیا گیا ہے۔ وہ شور تھا کہ کان پڑی آواز نہ سنائی
دیتی تھی۔ اور سب آوازیں مل جل کر کچھ اس طرح کی ہو گئی تھیں۔

اصغر کی جوتی، پھوپی اماں کی پاندان کی تھالی میں نصیبن، اے
نصیبن۔ اے وا بی بی تو کیا کچل دو گی، میرا پیر، اللہ مبارک کرے

چل دور، لو اور سنو ماں بہن پرسچ کہتی ہو، اری او منا کی ماں، دولہا
آرہا ہے، دودھ کی شیشی لاؤ، اسے بلا لونا، وکیل اور نصیبن تم پھر
غائب ہوگئیں، ہاہاہا چین چاؤں نی نی نی، بھئی اللہ، اوئی کچل
کے رکھ دیا۔ تگوڑ مارا یہ رہا لوٹا، اسے بہن ملا بھی میرا برقعہ، نہ جانے
کیسے ہیں تمہارے دولہا بھائی وہ ہیں کس اجڑے کے کہار، لو وہ آگئے
آگ لگے سارا آنچل نوچ کے رکھ دیا۔ اری جیب ہی ہی ہی، اوئی
نوچ، اس کمچڑی کی نہ واپس ٹھکانے کی نہ چاولوں کا کوئی اعتبار
ہر بی بی اس کا ثبوت دے رہی تھی کہ ہم بھی منہ میں زبان رکھتے
ہیں۔ اور ہر زبان بارہ ہاتھ کی ثابت ہو رہی تھی کہ اتنے میں دلہن
سے پوچھنے والے آگئے اور تھوڑی ہی دیر میں دلہن سے "ہوں"
کہلوا کر مردانے میں واپس گئے۔ ان سب کے جاتے ہی نجمہ اور
ساجدہ نے پھر کمرہ کو خالی کرا کے اندر سے بند کر دیا۔ اور اب
سب کے جاتے ہی نجمہ اور ساجدہ نے پھر کمرہ کو خالی کرا کے
اندر سے بند کر دیا۔ اور اب سب مل کر اور دلہن کو زبردستی
گھسیٹ کر باہر کا تماشا دیکھنے لگیں۔ جتنی دیر میں کمرہ خالی
کرایا گیا اور یہ سب کھڑکی تک پہنچ سکیں، نکاح ہو چکا تھا اور
نرگس اختر کی دلہن بن چکی تھیں۔

ساجدہ نے کہا "اچھا ایک مرتبہ میں بھابی کہہ لوں اور تم
جواب دیدو نرگس۔"

نرگس نے شدت جذبات سے ساجدہ کے گلے میں بانہیں ڈال دیں اور چونکہ ساجدہ سمجھ چکی تھی کہ اس وقت نرگس رونے ہی والی ہے لہذا اس نے فوراً بات ٹالتے ہوئے کہا۔

"ارے، ارے، میں ہوں ساجدہ، اختر نہیں ہوں، بھائی کے دھوکے میں بہن کو شرمندہ نہ کرو"

نجمہ نے کہا "اس کو شرمندہ نہ کروگی کیا تعریف کی جائے

ساجدہ نے کہا "جلدی میں مصرعہ عرض کر دیا ہے۔ آپ نے پسند کیا آپ کی حماقت ہے۔"

نکاح کے بعد ہی اندر اور باہر ہر جگہ کھانے کا طوفان برپا ہو چکا تھا اور اس طوفان سے دلہن کا کمرہ بھی محفوظ نہ رہ سکا نتیجہ یہ کہ ان سہیلیوں کو پھر رخصتی کے وقت تک آزادی حاصل نہ ہو سکی۔

اس شادی نے آگ پر تیل کا کام کیا۔ نجمہ کی والدہ نے پھر مولوی رجب علی صاحب کی زندگی دوبھر کرنا شروع کر دی کہ دنیا جہاں کی لڑکیوں کے شادی بیاہ ہو رہے ہیں۔ مگر تم ہو کہ کسی طرح اس فرض سے سبکدوش ہونا نہیں چاہتے۔ مولوی رجب علی صاحب تو بھرے ہوئے بیٹھے ہی تھے جب سے حضرت کی زبانی یہ معلوم ہوا تھا کہ ببو میاں احسان شاہ کے ساتھ اب تک حسو کے یہاں جاتا ہے۔ اس وقت سے ببو میاں کے اس بہروپ کی حقیقت ان پر کھل چکی تھی اور وہ اپنی جگہ پر قطعی طے کر چکے تھے کہ اگر بیوی نے اب کے نجمہ اور ببو کی قسمت کا ذکر چھیڑا تو اچھا نہ ہوگا۔ چنانچہ جیسے ہی بیگم صاحبہ نے یہ ذکر چھیڑا مولوی صاحب نے اطمینان سے تسبیح ایک طرف رکھی۔ داڑھی

پر ہاتھ پھیر کر اپنے سینہ پر جو کچھ پڑھ رہے تھے اس کا دم کیا اور کھنکار کر بولے "کیا مطلب ہے یعنی نجمہ کی شادی کے سلسلہ میں کیا مطلب ہے؟"

بیگم صاحبہ نے کہا "مطلب یہ ہے کہ کیا لڑکی کو یوں ہی بٹھائے رکھو گے ہمیشہ؟"

مولوی صاحب نے فرمایا "انشاءاللہ وقت آنے پر اس کی بھی شادی ہو جائے گی۔ مگر مجھ سے یہ ناممکن ہے کہ عقل پر قفل ڈال کر اور آنکھوں پر پٹی باندھ کر لڑکی کو کنوئیں میں جھونک دوں۔ اگر کہو تو دروازہ پر جا کر کھڑا ہو جاؤں۔ اور ہر راہ گیر کا جائزہ لیتا رہوں کہ کس کے ہاتھ میں لڑکی کا ہاتھ دے دوں۔"

بیوی نے کہا "تمہاری تو جو باتیں ہیں دنیا سے نرالی ہیں۔ اب عرش سے تو اترے گا نہیں نجمہ کے لئے کوئی لڑکا جیسے کچھ بھی برے بھلے لڑکے ہیں تمہارے خاندان میں ہیں۔ میں کہتی ہوں کہ آخر ببو کے ساتھ کیوں نہ کر دی جائے اللہ کا نام لے کر۔"

مولوی صاحب نے غیر معمولی جرأت سے کام لے کر کہا "ناممکن انشاءاللہ قطعی طور پر ناممکن ہو گا کہ میں اپنی لڑکی اس لڑکے کے حوالے کر دوں جو اعلیٰ درجہ کا بازاری بدچلن اور نہایت ناقابل اعتبار ہے میں آج آخری مرتبہ تم سے کہتا ہوں کہ آئندہ سے نجمہ کے سامنے بس ببو میاں کا نام تمہاری زبان سے نہ سنوں۔"

بیگم صاحبہ کو امید ہی نہ تھی کہ اس قدر صاف انکار ان کو سننا پڑے گا۔ پہلے تو ہکا بکا رہ گئیں۔ اس کے بعد مناسب یہی معلوم ہوا کہ اسی وقت میاں کو سمجھا بجھا کر رام کر لیا جائے، ورنہ یہ وقت ٹلا تو اس کے معنی ہوں گے کہ ان کے اس فیصلے پر میں نے بھی سر جھکا دیا ہے۔ ذرا آگے کھسک کر سمجھانے کے انداز سے بولیں، "دیکھو برا ماننے کی بات نہیں، ذرا ٹھنڈے دل سے غور کرو کہ بچہ میری بھی اولاد ہے۔ نو مہینے میں نے ہی اس کو پیٹ میں رکھا ہے اپنا خون پلا کر میں نے ہی آج اس کو اس قابل کیا ہے، کہ اس کی شادی کا اللہ رکھے ذکر ہو رہا ہے بس نہیں چاہتی کہ اس کو کسی ایسے کے حوالے کر دیا جائے جس سے تکلیف ہو۔"

"جب ہی تو تم چاہتی ہو کہ بو ایسے بگڑے ہوئے شخص کے سپرد اس کے زندگی کر دی جائے۔" مولوی صاحب نے جوش میں کہا۔ "تاکہ وہ بدچلنیاں اور بدمعاشیاں کرتا پھرے اور یہ معصوم بے زبان بچی گھٹ گھٹ کر اپنے ماں باپ کو دعائیں دے جنہوں نے آنکھیں رکھتے ہوئے اور سب کچھ جانتے بوجھتے لڑکی کو اس کے سپرد کر دیا۔ میں سب کچھ جانتا ہوں کہ مجھ کو راضی کرنے کے لئے بو نے یہ رنگ اختیار کیا ہے کہ حضرت صاحب قبلہ کے دست مبارک پر بیعت کی ہے۔ یہ نماز، یہ مذہبی ڈھونگ سب مجھ پر روشن ہے۔ اور میں تم کو بلکہ اس مردود کو یہ بتا دینا

چاہتا ہوں کہ میں ہرگز نجمہ کی شادی اس سے نہ ہونے دوں گا۔ انشاءاللہ۔"

بیگم نے آخری وار کیا۔" اچھا تو یہی بتاؤ کہ تم کو بجو کی طرف سے کیونکر اطمینان ہو سکتا ہے۔"

مولوی صاحب نے برجستہ فرمایا۔" بس ایک ہی صورت ہے کہ نجمہ کے ساتھ اس کی شادی کا ذکر نہ کیا جائے۔ پھر مجھ کو اطمینان ہی اطمینان ہے میری بلا۔ سے وہ حسو کے یہاں پڑا رہے یا قماربازی میں مصروف رہے یا چوک کے طواف کرتا پھرے یا اوباشوں کی صحبت میں اس کا وقت گزرے مجھ کو اس کی ان تمام باتوں سے کوئی اختلاف نہیں ہے۔ خدا نے اس کو چار پیسے دیئے ہیں اور دولت کے مصرف اسی قسم کے ہوا کرتے ہیں۔ مگر میں اب اتنا گنہگار بھی نہیں ہوں کہ یہ پہلی سنہری عذاب مجھ پر نازل ہو۔"

بیگم صاحب نے اب اصل راز کھولا۔" اچھا تو میں آج تم کو بتاتی ہوں کہ نجمہ کی شادی صرف اسی کے ساتھ ہو سکتی ہے اس لئے کہ پیدائش کے وقت ہی بجو نے اس کو مانگ لیا تھا اور وہ ٹھیکرے کی منگنی ہوئی ہے بجو کے ساتھ۔"

مولوی صاحب نے نہایت ترآنت سے فرمایا۔" لاحول ولا قوۃ استغفراللہ، یہ سب واہیات، ٹھیکرا واہیات اور ٹھیکرے کی منگنی

واہیات انشاء اللہ میرے جیتے جی یہ نسبت ہرگز نہیں ہوگی۔"

بیگم صاحبہ نے ماتھے پر ہاتھ مار کر کہا "غضب خدا کا اب بھی تم یہ کہہ رہے ہو کہ نسبت نہ ہوگی۔ کہیں شریفوں میں منگنیاں بھی توڑی جاتی ہیں۔"

مولوی صاحب نے فرمایا "منگنی چہ خوشش، رذالت اور کمینہ پن سے بچانے کے لئے شریفوں کے یہاں طلاق تک ہو سکتی ہے تم منگنی کو لئے پھرتی ہو، جس کا نہ کلام مجید میں ذکر ہے نہ کسی اور مذہبی کتاب میں۔"

بیگم نے نہایت جاہلانہ انداز میں کہا "خیر اب یہ تو نہ کہو کہ وہ ذلیل ہے کمینہ ہے جو ہم سب ہیں وہی وہ بھی ہے۔"

مولوی صاحب نے فرمایا "انسان شریف یا غیر شریف خاندانی طور پر نہیں ہوا کرتا۔ بلکہ اپنے ذاتی افعال سے ہوا کرتا ہے۔ مجھ کو ایک نیک اطوار ذلیل سے ذلیل شخص گوارا ہو سکتا ہے۔ مگر آپ کے بد اطوار شریف النسل بھانجے صاحب گوارا نہیں ہیں اور میں اس حد تک اپنے ارادے میں پختہ ہوں کہ بچہ کو گولی مار دوں گا۔ مگر یہ بات نہ مانوں گا کہ اس شخص کے سپرد کر دوں۔"

بیگم صاحبہ نے فرمایا "تو اب میں بھیا کے گھر بھر کو کیا منہ دکھاؤں گی۔"

مولوی صاحب نے فرمایا "اور میں یہ سوچ رہا ہوں کہ اگر میں

نے تمہارا کہنا مان لیا تو خدا کو کیا منہ دکھاؤں گا۔ میں ایک بے زبان لڑکی کا صبر نہیں سمیٹ سکتا، وہ خدا کی دی ہوئی ایک امانت ہے۔ اور یہ مذہبی فریضہ ہے کہ ہم اس کے مستقبل کو ایمانداری کے ساتھ خوشگوار بنائیں نہ کہ جان بوجھ کر اسے موت کے منہ میں ڈھکیل دیں؟

بیگم صاحبہ غالباً کوئی فیصلہ کن بات کرنا چاہتی تھیں کہ نجمہ کمرے میں ہنستی ہوئی داخل ہوئی اور دوڑ کر ماں کے گلے میں باہیں ڈالتے ہوئے کان میں کچھ کہا۔ مولوی صاحب کو بھی بیٹی کی اس ادا پر پیار آگیا۔ مسکرا کر بولے "یہ کیا ماں بیٹی میں سرگوشیاں ہو رہی ہیں۔"

بیگم صاحبہ نے کہا "مصیبت کھڑی کر دی ہے میرے لئے شادی کے بعد پہلی مرتبہ نرگس آئی ہے اب بتاؤ میں اس وقت کیا کروں پہلے سے خبر ہوتی تو ویسا ہی انتظام کرتی۔"

مولوی صاحب نے فرمایا "انتظام کی بات کیا ہے اس سے اس کے دولہا سے بھی کہلوا دو کہ شام کو کھانا یہیں کھائے۔"

بیگم نے کہا "جھگڑا ہی تو ہے۔ اچھا تم چلو اپنی سہیلیوں کے پاس میں جاتی ہوں اب چولھے کے پاس۔ ماما بھی تو کم بخت اس ڈھنگ کی نہیں کہ خود سے کچھ کرے۔"

نجمہ دوڑتی ہوئی اپنی سہیلیوں کے پاس گئی۔ ساجدہ ریحانہ اور نرگس تینوں اسما کے کمرے پر قبضہ کئے ہوئے تھیں۔ نجمہ

نے واپس آتے ہی کہا۔ "گھبراؤ نہیں دلہن بیگم تمہارے ان کو بھی بلوائے بھیجتی ہوں۔ وہ بیچارے الگ ہڑک رہے ہوں گے۔"

ساجدہ نے کہا۔ "وہاں تو اس وقت برج ہو رہا ہے۔ بھائی جان ہیں شکیل صاحب ہیں اشتیاق صاحب ہیں۔"

ریحانہ نے جلدی سے کہا۔ "اور نہ جانے کہاں سے ایک رنگروٹ بھی آپھنسا ہے۔"

ساجدہ نے کہا۔ "ان کے سراپا اشتیاق کا نام آیا۔ اور دماغ میں گبڑ بڑ ہونے لگا۔"

نجمہ نے کہا۔ "اچھا تم سب لڑنا بعد میں۔ پہلے یہ بتاؤ کہ شام کو کھانے پر سب کو بلا لیا جائے؟"

نرگس نے کہا۔ "دماغ ٹھیک ہے کہ نہیں۔ شام کو سب کے سب گھر ہی پر مدعو ہیں۔ اور ہم لوگ تم کو لینے آئے ہیں کہ تم بھی چلو۔"

نجمہ کی والدہ نے داخل ہوتے ہوئے کہا۔ "یہ غلط ہے۔ شادی کے بعد پہلا تو چالا کیا ہے تم نے۔ میں یوں ہی تو جانے نہ دونگی آخر میرا بھی کوئی حق ہے کہ نہیں۔"

اے خالہ جان یہ آج سرکاری طور پر نہیں آئی ہیں پھر جس دن کہیے آ جائیں گی۔ اس وقت تو نجمہ کو اجازت دے دیجئے کہ وہ ہمارے ساتھ چلی جائیں۔ للہ میری خالہ جان۔"

نجمہ کی والدہ نے کہا: اے تو میں منع کب کر رہی ہوں۔ لے جاؤ مگر یہ طے رہا کہ کل یا پرسوں تم سب پھر آؤ گی۔؟

ساجدہ نے سب کی طرف سے وعدہ کیا اور جلدی جلدی نجمہ کو تیار کرا کے سب کے ساتھ لے گیئں۔

نجمہ کو راستہ ہی میں پتا دیا گیا تھا کہ یہ دعوت دراصل شکیل کے
تقرر کے سلسلے میں ہے۔ ڈپٹی کلکٹری کے لئے نامزد تو وہ پہلے ہی ہو چکے تھے
مگر آج ہی حکم آیا تھا کہ ان کا تقرر بھی ہو گیا۔ اور خوش قسمتی سے
فی الحال وہ لکھنؤ ہی میں رکھے گئے ہیں۔ نجمہ کو بھی اب تک اس حکم کی
خبر نہ تھی اس لئے کہ جس وقت شکیل کو یہ مراسلہ ملا۔ اختر ان کے
پاس ہی بیٹھے تھے اور وہ فوراً شکیل کو اپنے ساتھ لے آئے تاکہ
اس سلسلہ کی خوشی کا پہلا اظہار ان ہی کی طرف سے ہو سکے۔ نجمہ
کو جب یہ اطلاع ہوئی تو اس کی خوشی کا کیا ٹھکانہ تھا۔ لاکھ ضبط
کیا مگر مسرت کے دو آنسو اس کی پلکوں پر چمک ہی گئے۔ مصیبت
کے زمانہ میں سب ہی کو خدا یاد آتا ہے۔ مگر نجمہ نے ساجدہ کے یہاں
پہنچتے ہی سب سے پہلے وضو کر کے نماز پڑھی بعد اس کے دل سے

دعا نکلی، کہ اے خدا اس کا جاننے والا صرف تو ہے کہ شکیل کی اس خوشی کو اپنی خوشی سمجھ رہی ہوں۔ جس جذبہ نے آج تیرے حضور پہنچایا ہے اس جذبہ کو میں تیری امان میں دیتی ہوں۔"

ادھر تو نجمہ نماز و دعا میں مصروف تھی ادھر شکیل کو بھی اطلاع ہو چکی تھی کہ نجمہ آ گئی ہے۔ لہٰذا اس نے پردہ کرانے کے بعد سب سے پہلا یہ فرض سمجھا کہ صحیح معنوں میں خوش ہونے والے کی خوشی دیکھ لے۔

ساجدہ نے بھی شکیل کو نجمہ تک پہنچانے میں مدد دی اور عین اس وقت جب کہ نجمہ کے دعا کے لئے اٹھے ہوئے ہاتھ آمین کہہ کر چہرہ پر تقسیم ہو گئے ہیں۔ شکیل کی آواز پر نجمہ چونک پڑی "معاف کیجئے گا مولانا صاحب میں عبادت میں مخل ہوا۔"

نجمہ نے گلوگیر آواز میں جو فرطِ مسرت سے زاریہ نما بن گئی تھی۔ کہا "کون ڈپٹی صاحب!" قریب تھا کہ وہ بے اختیار ہو کر شکیل کا ہاتھ پکڑ لے۔ کہ احتیاط نے خود اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔ اور اس نے اپنے ہاتھ کو دوپٹے کے آنچل سے کھیلنے میں مصروف کرتے ہوئے کہا۔ "خدا مبارک کرے۔"

شکیل بھی اپنے کو سنبھال رہا تھا۔ اس نے بھی سنبھلتے ہوئے کہا۔ "میں تو خود تم کو مبارک باد دینے آیا تھا۔ اس لئے کہ میں جانتا تھا کہ میرے لئے اس دنیا میں سوائے تمہارے خوش ہونے والا اور کوئی نہیں ہے۔"

نجمہ کہاں تک ضبط کرتی منہ سے نکل ہی گیا۔ "شکیل"۔

شکیل نے زندگی میں پہلی مرتبہ اپنا نام، بغیر بھائی کی آمیزش کے اس ابے سا خفگی کے ساتھ نجمہ کی زبان سے سنا تھا اس میں شک نہیں کہ نجمہ کی نگاہوں نے بارہا یوں ہی اس کو مخاطب کیا تھا۔ نجمہ کی خاموشی نے کئی بار یہی نعرہ بلند کیا تھا۔ مگر آج تو یہ حقیقت زبان پر بھی آگئی تھی۔ اس نے بھی غیر ارادی طور پر کہا "میری نجمہ" اور پھر دونوں گویا دم بخود ہو گئے۔ اب سناٹے میں دو دل دیر تک دھڑکتے رہے۔ بمشکل تمام شکیل نے پھر اپنے اوپر قابو حاصل کرتے ہوئے کہا شکر ہے کہ تقرر لکھنؤ ہی میں ہوا ہے۔"

نجمہ نے کہا۔ "آپ کو چاہئے تھا کہ فوراً ابا جان اور امی جان کے پاس جاتے۔"

شکیل نے کہا۔ "کیسے جاتا۔ اس کم بخت نے گرفتار جو کر رکھا ہے ورنہ سب سے پہلے تو میں تمہارے ہی پاس آتا۔ مگر ان لوگوں نے طے یہ کیا ہے کہ میں کل تمہارے یہاں جاکر یہ جھوٹ بولوں کہ گویا مجھے یہ اطلاع ابھی اس وقت ہوئی ہے۔"

نجمہ نے کہا۔ "اچھا اب آپ تشریف لے جائیے کیا فائدہ کہ خود باہر سے تقاضا کیا جائے۔"

شکیل نے کہا۔ "نجمہ، اس وقت مجھ کو اپنا ایک وعدہ یاد آرہا ہے تم کو بھی شاید یاد ہو کہ تم نے مجھ سے کہا تھا کہ جب آپ

نوکر ہو جائیے گا تو مجھ کو کیا دیجئے گا۔ میں نے کہا تھا انعام۔"

نجمہ نے ہنس کر کہا "جی ہاں یاد ہے۔ تو لیجئے انعام"

شکیل نے کہا "وہی انعام دینے آیا ہوں ۔ لو"

نجمہ نے حیرت سے دیکھا کہ دے کچھ نہیں رہے ہیں ۔ اور کہتے ہیں لو۔"

شکیل نے پھر کہا "میں وعدہ پورا کر رہا ہوں اب اپنا انعام لے لو نا۔"

نجمہ نے کہا "دے بھی رہئے ہیں کچھ۔"

شکیل نے بھرائی ہوئی آواز سے کہا "میں خود اپنے کو تمہارے حوالے کر رہا ہوں ۔ خود اپنی ذات اور اپنے جذبات سے زیادہ قیمتی اور کوئی چیز میرے پاس نہیں ہے میں ہمیشہ سے تمہارا اور تمہارا ہی رہوں گا ۔ مگر آج تک اپنے کو سپردگی کے لئے پیش نہیں کیا تھا اور آج ......"

نجمہ نے بات کاٹ کر کمرے سے جاتے ہوئے کہا "اس کو فارسی میں کہتے ہیں "عطائے تو بلقائے تو"

شکیل اس جملہ کی شستگی سے لطف اندوز ہی ہوتا رہ گیا۔ اور نجمہ بجلی کی طرح کوند کر کمرے سے باہر چلی گئی ۔ نجمہ کے باہر نکلتے ہی ساجدہ، ریحانہ اور نرگس نے اس کو گھیر لیا ۔ ساجدہ نے فوراً اس کی نبض ٹٹولتے ہوئے کہا "مریضہ پر کسی خود ملی کیفیت کا اثر ہے

ہاتھ ٹھنڈے ہیں۔ دل کی حرکت تیز ہے۔ سانس پھول رہی ہے۔ بید مشک کا استعمال مفید ہوگا۔"

ریحانہ نے کہا "جی چاہتا ہے پوچھنے کو کہ کیا گزری۔ مگر کیوں بتانے لگیں ہم کو یہ۔"

نرگس نے کہا "میں بتاؤں۔"

ساجدہ نے کہا "خدا کے لئے تم رحم کرو۔ نہ جانے کیا کیا بنا جاؤں تمہارے تجربات تو بہت وسیع ہو چکے ہیں۔"

نرگس نے ڈانٹا "قیامت تو نہیں آئی ہے تیری۔"

ساجدہ نے گویا ادب سے کہا "بھاوج کے آنے کو اگر شامت کا آنا سمجھتی ہیں تو بے شک آئی ہے۔ ورنہ چھوٹا منہ بڑی بات میں کہہ ہی کیا سکتی ہوں۔"

ساجدہ کی والدہ نے کمرے میں داخل ہوتے ہوئے کہا "لو اور سنو تم سب تو یہاں کانفرنس کروگی۔ پھر مجھے کون بتائے گا کہ میں کیا کروں چائے کا انتظام تو تمہارے بھیا نے کسی انگریزی ہوٹل سے کرایا ہے ان کے دو ایک انگریز دوست بھی آرہے ہیں۔"

ساجدہ نے کہا "امی جان دوست نہیں آرہے ہیں۔ بلکہ شکیل بھائی کو آج ڈپٹی کمشنر نے اپنے یہاں چائے پر بلانا چاہا تھا۔ بھائی جان نے لکھ بھیجا تھا کہ وہ میرے یہاں مدعو ہیں۔ آپ خود ان کے ساتھ میرے یہاں چائے پر آجائیے۔"

ان کی والدہ بولیں ۔" خیر تو یہی سہی، میرا مطلب یہ ہے کہ چائے کا انتظام تو ہوٹل سے ہو رہا ہے ۔ مگر رات کے کھانے کیلئے کچھ تم لوگ بھی تو مشورہ دو، خانساماں کو میں نے مرغ، مچھلی، بالائی، ایڈنگ کباب، قورمہ، بریانی ۔ اور شیر مال کا انتظام کرنے کو کہہ دیا ہے۔ اور جو کچھ کہو کہہ دوں ۔۔۔"

ریحانہ نے کہا ۔ اور خالہ جان ترکاری ۔"

ترکاری کے نام پر ساجدہ نے اس طرح گردن جھکائی جیسے یہ ان کے دولہا کا تخلص ہی تو ہے، ساجدہ کی والدہ نے کہا " اے ہے یہ بات میں ہمیشہ بھول جایا کرتی ہوں کہ سعید صرف ترکاری کھاتے ہیں ۔"

نجمہ نے کہا ۔" خالہ جان ان کے لیئے ترکاری تو گھر ہی میں بہت ہے ۔ ڈنر کے وقت ان کو لان پر چھوڑ دا دیجئے گا ۔"

ساجدہ کی والدہ نے ہنس کر کہا ۔" گھاس کھلانے کے لئے کیا لڑکیاں کم ہیں، اچھی ترکاریاں دو ایک بڑھوائے دیتی ہوں ۔ باقی سب ٹھیک ہے ۔"

سب نے ان کو ٹالنے کے لئے کہہ دیا ۔ جی ہاں ٹھیک ہے ۔ اور وہ کمرہ سے باہر چلی گئیں اب تو ساجدہ نے قہر آلود نگاہوں سے نجمہ کو دیکھتے ہوئے کہا ۔" چونکہ تو لان پر چھوڑ دیا جائے میرے ان کو چرنے کے لیے ، بڑی آئی ہے وہاں سے ڈپٹی بن کر ۔"

نرگس نے کہا۔ "اس بات پر تو میں بھی برا مان سکتی ہوں کہ میرے نندوئی کو گدھا کہا گیا ہے۔"

بجمہ نے کہا۔

غلطی ہائے مضامیں مت پوچھ!
ان کے ان کو بھی گدھا باندھتے ہیں

باہر سے آواز آئی۔ سبحان اللہ۔ سب چونک پڑے گویا بجمہ ہی کے شعر کی داد دی گئی ہے۔ مگر بعد میں معلوم ہوا کہ باہر کلکٹری کے ایک کلرک صاحب جو خیر سے شاعر واقع ہوئے تھے نئے ڈپٹی صاحب کی شان میں کچھ شعر کہہ کر تشریف لائے ہوئے تھے وہی سنائے جا رہے تھے اور یہ اس پر داد دی گئی تھی۔ تھوڑی دیر میں باہر چائے کا دور شروع ہو گیا اور اندر ڈنر کی تیاریاں ہونے لگیں۔ بیچ بیچ میں جب موقع مل جاتا تو یہ لڑکیاں باہر کی سیر بھی کر لیا کرتی تھیں۔ جہاں ہر ایک کی امید کا مرکز موجود تھا۔

بنو میاں کا بہروپ ختم ہو چکا تھا۔ حضرت صاحب کی طرف سے تمام عقیدت تو اسی دن ختم ہو گئی تھی۔ جب ان کو اپنی خالہ جان سے یہ معلوم ہوا تھا کہ حضرت صاحب کا عقیدہ خود ان کے متعلق کیا ہے مگر اب تو وہ کھلم کھلا حضرت صاحب کے مخالف ہو چکے تھے۔ اور ان کے محبوب مشاغل میں سے ایک مشغلہ یہ بھی تھا کہ احباب میں بیٹھ کر حضرت صاحب کی شان میں گستاخیاں کیا کرتے تھے۔ ان پر کون سا الزام تھا جو آپ نے نہ لگایا۔ طرح طرح کے بدچلنیوں کے الزام ان پر تھے۔ ڈکیتیوں کے الزام ان پر تھے۔ اور پھر رونا اس کا تھا کہ عقل کے اندھے اسی سراپا فریب کی عقیدت میں مبتلا ہیں۔ حلقۂ احباب تو جس قدر پاکیزہ تھا۔ اس کا اندازہ اسی سے ہو سکتا ہے کہ چمن پہلوان اور بنے صاحب زردوز تک اس

میں شامل تھے جن سے عالم گلوپچ تک کا مذاق ہوتا تھا۔ ان لوگوں نے اور بھی حضرت صاحب پر گند اچھالا کہ اجی وہ تو چھٹا ہوا بدمعاش ہے۔ کسی عورت کو بھگا لانے کے سلسلے میں مقدمہ چل گیا تھا تو منہ چھپا کر گھر میں بیٹھ رہا۔ اور پھر جو باہر نکلا تو اس روپ میں کہ گویا ولی اللہ ہو گیا ہے۔ مختصر یہ کہ کوئی الزام نہ تھا ایسا جو حضرت صاحب پر نہ تھوپا گیا ہو۔ اب تک حضرت صاحب سے کچھ امید وابستہ تھی تو خسرو کے یہاں کے حاضری کے سلسلے میں بھی احتیاط برتی جاتی تھی مگر اب پھر بغیر کسی جھجک کے آمد ورفت شروع ہو گئی۔ اس کے یہاں احباب کا اجتماع ہوتا تھا اور وقت کا زیادہ سے زیادہ حصہ اسی کے ساتھ گزرتا تھا۔ تاش ہو رہے ہیں۔ پینے والے روپے کو مفت کا مال سمجھ کر پی رہے ہیں۔ جیتنے والے آنکھوں میں دھول جھونک کر جیت رہے ہیں۔ روپے کو خرچ کرانے کے نت نئے بہانے ڈھونڈے جا رہے ہیں اور ان کو اچھے خاصے رئیس کا درجہ دے کر دماغ کو سب نے مل کر ماؤف کر رکھا ہے۔ اس میں شک نہیں کہ دولت کا کوئی اندازہ ہی نہ تھا اگر اعتدال کے ساتھ یہ سب کچھ بھی ہوتا رہتا تو بھی روپیہ اتنا تھا کہ ان کی زندگی کے لئے کافی تھا۔ مگر وہاں تو جیسے صرف اسی بات کی جلدی تھی کہ کسی طرح روپیہ جلد سے جلد ختم ہو۔ گھوڑ دوڑ کو اس کیلئے مناسب ذریعہ سمجھ کر احباب نے اس کا مزہ چکھا دیا۔ اور شوق

دیکھتے دیکھتے اتنا بڑھا کہ خود آپ کے گھوڑے دوڑنے لگے۔ آج میرٹھ
میں ریس ہے اور ہمارا رئیس مع اسٹاف کے جس میں حسو سے لیکر
گھوڑے تک سب ہی شامل ہوتے تھے۔ میرٹھ میں موجود ہے۔ آج
پونا میں ہیں تو کل کلکتہ میں۔ سادگی کا یہ عالم کہ گھوڑے کے دم تک
پہچان نہیں سکتے۔ اور جرأت یہ کہ بڑا داؤں ہو یا چھوٹا سب کیلئے
تیار۔ آج حساب لگایا تو پتہ چلا کہ میرٹھ کی ریس میں پچاس ہزار
کا گھاٹا رہا۔ کل پتہ چلا کہ پونا کی ریس ساٹھ ہزار لے گئی۔ قصہ مختصر
یہ تھا کہ روپے کے پر لگ چکے تھے اور وہ مسلسل اڑ رہا تھا۔ ایک
تو ان حضرت کا یہ حال تھا۔ ادھر حضرت صاحب، قبلہ صاحب انکار
کر چکے تھے کہ میرے سامنے اب نجمہ اور بو میاں کی شادی کا ذکر
بھی نہ کیا جائے۔ خود مولوی صاحب کہہ چکے تھے کہ انشاء اللہ نسبت
کبھی نہ ہونے دوں گا۔ نتیجہ ان تمام باتوں کا صرف یہ ہوا کہ نجمہ
کی والدہ جو اثر لیتے لیتے بیمار پڑیں تو بستر سے لگ کر رہ گئیں۔
بخار نے جڑ پکڑ لی اور کمزوری روز بڑھتی چلی گئی۔ شروع شروع
میں پرواہ بھی نہ ہوئی۔ مگر آخر کار شکیل نے ان کی طرف توجہ کی
علاج کی تمام ذمہ داری خود لے کر باقاعدہ دوڑ دھوپ شروع کی
اس کی تیمارداری کا سب سے پہلا نتیجہ تو یہ ہوا کہ وقت پر دوا اور
غذا پہنچنے لگی۔ علاج کا ایک ڈھنگ پیدا ہو گیا۔ مگر اس کا کیا
علاج کہ خود ان کو شکیل سے تنفر تھا۔ اس کی ان خدمات کو بھی وہ

نہایت ناگواری کے ساتھ قبول کر رہی تھیں اور چاہتی تھیں کہ کسی طرح کلکتہ سے بو میاں آجائیں تو وہ اپنی مرضی سے علاج شروع کرائیں اور دیکھ بھال اپنے ہاتھ میں لے لیں۔ آخر خدا خدا کر کے بو میاں ہارے ہوئے جواری کی طرح چڑھے چڑھے اور تنگ مزاج کلکتہ سے واپس آئے۔ خالہ کی علالت کی ان کو خبر تو پہلے ہی تھی۔ مصلحتاً بے خبر بنے ہوئے تھے۔ اب جو سنا کہ پانی سر سے اونچا ہو چکا ہے اور حالت واقعی نازک تو بمشکل تمام وقت نکال کر خالہ کو دیکھنے گئے۔ وہاں نہ جانے کیا کیا توقعات تھیں۔ بھانجے کو دیکھتے ہی خالہ نے اطمینان کر لیا کہ اب علاج ٹھیک طرح ہو سکے گا۔ بو میاں نے جہاں تک زبانی جمع خرچ کا تعلق تھا خالہ کی ہر ممکن دلدہی کی۔ مگر چلتے چلتے یہ بھی سنا گئے کہ مصروفیت بہت ہے اور کل ہی میرٹھ کے لئے روانہ ہونا ہے اور کوئی خالہ ہوتی تو اس کی توقعات اسی وقت ختم ہو جاتی۔ مگر اب تک ان خالہ کو امید تھی کہ بو میاں کو ان کی علالت کے باعث مشکل ہی سے قرار آسکے گا۔ شکیل بدستور ان کی تیمارداری میں مصروف رہا اور بو میاں دوسری مرتبہ آکے بغیر میرٹھ روانہ ہو گئے اسی علالت کے سلسلے میں شکیل اور نجمہ کا زیادہ تر ساتھ رہتا تھا۔ شکیل نے رات کو بھی چچی کی دیکھ بھال کے لئے یہیں رہنا شروع کر دیا تھا۔ اور راتوں کو جاگ جاگ کر تیمارداری کر رہا تھا۔ دن بھر کچہری اور باقی تمام وقت تیمارداری، مقصد یہ نہ تھا کہ چچی کی خوشنودی

حاصل کی جائے بلکہ وہ اس کو بچہ کی دل دہی کے لئے کر رہا تھا۔ مرض بڑھتا ہی گیا۔ اور آخر کار ایک روز ڈاکٹر نے صاف کہہ دیا کہ مریضہ پر کسی دوا کا اثر اس لئے نہیں ہو رہا ہے کہ خون بالکل پیدا نہیں ہوتا۔ بلکہ ان کی زندگی خطرے میں ہے۔ اگر ان کے جسم میں تازہ انسانی خون کی کافی مقدار نہ پہنچائی گئی تو یہ خطرے سے باہر نہیں آسکتیں۔ اس سلسلے میں سب سے پہلے بچہ نے اپنے کو پیش کیا مگر شکیل نے ڈاکٹر کو منع کر دیا اور خود اپنا ہاتھ بڑھاتے ہوئے اپنے خون کی پیاسی چچی کی پیاس اسطرح بجھا دی۔ ڈاکٹر نے شکیل کے جسم سے کافی مقدار میں خون لے کر چچی کے جسم میں پہنچایا۔ شکیل کوئی غیر معمولی تندرست آدمی نہ تھا کہ اتنا خون کے نکل جانے کے بعد بھی ان پر اثر نہ ہوتا۔ ڈاکٹر نے اس کو آرام کرنے کا مشورہ دیا۔ اور بمشکل تمام تیسرے دن وہ اس قابل ہوسکا کہ بستر سے اٹھ سکے مگر اس کی یہ قربانی رنگ لائے بغیر نہ رہ سکی چچی کی آنکھیں اب کھل چکی تھیں۔ اور ان کو اب اپنی غلطی کا احساس ہو رہا تھا۔ کہ جس شکیل سے انھوں نے اب تک اتنی نفرت کی تھی۔ وہ دراصل کتنا قیمتی انسان ہے۔ تیسرے روز جب شکیل اپنے بستر سے اٹھ کر چچی کی مزاج پرسی کیلئے ان کے قریب آیا تو مولوی صاحب بھی قریب ہی بیٹھے وظیفہ پڑھ رہے تھے۔ شکیل کو دیکھتے ہی تشکر کا ایک آنسو ان کی پلکوں پر آ جھلکا۔ اور چچی نے بھی ہاتھ بڑھا کر شکیل کا ہاتھ پکڑتے ہوئے کہا۔ کیسی طبیعت ہے بیٹا۔۔۔؟

شکیل نے ہنس کر جواب دیا "پچی بیمار آپ ہیں اور حال میرا پوچھ رہی ہیں۔ میں تو خود آپ کا مزاج پوچھنے آیا ہوں"

پچی کی آنکھوں میں اس وقت آنسو تھے "بیٹا تم نے وہ کیا ہے جو اپنی اولاد بھی نہ کرتی۔ میں کیا جانتی تھی کہ مجھ کو تم اس طرح شرمندہ کروگے۔ میں نے تمہارے ساتھ بہت زیادتیاں کی ہیں"

مولوی صاحب نے وظیفہ ملتوی کرتے ہوئے تسبیح کی گردش کو روک دیا۔ اور فرمایا "انشاء اللہ یہ بحث تمہاری صحت کلی کے بعد چھڑے گی۔ فی الحال تندرست ہونے کی کوشش کرو"

بیگم صاحبہ نے کہا "اب میں تندرست ہو جاؤں گی۔ اب میرا دل خود تندرست ہونے کو چاہتا ہے۔ اب میں اپنی نجمہ اور اپنے شکیل کی شادی دیکھنے کے لئے زندہ رہنا چاہتی ہوں"

شکیل نے سر جھکا لیا، نجمہ وہاں سے ٹل گئی اور مولوی صاحب نے نعرہ بلند کیا "انشاء اللہ"

بیگم صاحبہ نے کہا "بیٹا اب کمزوری تو نہیں ہے۔ کیسا چہرہ کا دم اتر کر رہ گیا ہے۔ نہ جانے کتنا خون نکال لیا ڈاکٹر نے"

شکیل نے ہنس کر کہا "کچھ بھی نہیں پچی جان۔ نہ میں کمزور ہوں نہ کچھ، آپ اچھی ہو جائیے، بس یہی اس خون کی قیمت ہے"

مولوی صاحب نے پھر نعرہ بلند کیا "انشاء اللہ، انشاء اللہ ... انشاء اللہ"

بیگم صاحبہ نے مولوی صاحب کی طرف متوجہ ہوتے ہوئے کہا۔

"حضرت صاحب نے کیسی سچی بات مجھ سے کہی تھی کہ یہ جو خود اپنا دوست نہیں ہے، یہ تمہارا یا کسی کا کیونکر ہو سکتا ہے اور جب تمہارا نہیں ہو سکتا تو خدا کا کیا ہوگا۔"

مولوی صاحب نے جھوم کر فرمایا۔ "سبحان اللہ، حضور نے میاں شکیل کے متعلق یہ سنا کہ وہ مہینوں اس طرح کی تیمارداری کر رہے ہیں اور اب چچی کے لئے اپنا خون بھی دیا ہے، کافی مقدار میں تو تبسم فرمایا اور ارشاد ہوا کہ اس کو یقیناً یہی کرنا چاہئے تھا اس لئے کہ وہ جو نہیں ہے۔ کل حضرت صاحب ہی نے تو مجھ کو یہ اطلاع دی ہے کہ جو میاں نے تمام نقد روپیہ گھوڑ دوڑ اور اس بنت شیطان پر صرف کر چکنے کے بعد الہ آباد والی کوٹھی تیس ہزار میں فروخت کر ڈالی۔ اور اب لکھنؤ کی جائداد کا بھی خدا حافظ ہے؟"

بیگم صاحبہ نے کہا "ہائے کم بخت ننگ خاندان، سچ کہتی ہوں کہ میں نے سب کے ساتھ بے انصافیاں کر کر کے اس کی ہمیشہ طرفداری کی۔ اس کے ہر عیب کو چھپایا اور اس کو اتنا چاہا کہ شاید اس کی محبت میں بچہ کو بھی قربان کر دیتی۔ مگر حضرت صاحب ہی کی دعا تھی کہ بچہ اس کم بخت سے محفوظ رہی۔"

شکیل نے کہا "چچی جان آپ زیادہ گفتگو نہ کریں۔ تھک جائیں گی۔ یخنی کا وقت ہو گیا ہے۔ تھوڑی سی یخنی پی لیجئے۔"

بیگم صاحبہ نے کہا۔ "لاڈ میاں خدا تم کو سلامت رکھے۔ جوانی کا سکھ دیکھو۔ اب میں اچھی ہو جاؤں گی۔ تم نے مجھ کو پھر سے زندگی دیدی"۔
مولوی صاحب نے کانپ کر کہا۔ "نعوذ باللہ۔ زندگی خدا عطا کرتا ہے۔ انشاء اللہ صحت حاصل ہو گی۔ اس لئے کہ تمہارا اصل مرض، یوتھا شکر ہے کہ اپنے اس مرض کی تشخیص تم نے خود کرلی۔"

شکیل نے یخنی دیتے ہوئے کہا۔ "لیجئے آج آپ نے بہت باتیں کی ہیں اب پی کر سونے کی کوشش کیجئے۔ نیند آجانے سے تھکن دور ہو جائے گی۔"

مولوی صاحب نے اٹھتے ہوئے کہا۔ "انشاء اللہ" یخنی پلاکر شکیل بھی کمرے سے ہٹ گیا۔ تاکہ بچی کو نیند آجائے۔

نجمہ کی تمام سہیلیاں اس کی ماں کی علالت کے دوران میں عیادت کے لئے برابر آتی رہتی تھیں۔ چنانچہ آج بھی ساجدہ اور نرگس آئی ہوئی تھیں۔ اور آج ان کو پہلی مرتبہ مریضہ تو مریضہ خود نجمہ کے چہرے پر وہ شادابی اور چمک محسوس ہوئی جو ایک زمانہ میں نجمہ کو سب سے ممتاز کئے ہوئے تھی۔ مگر اب کچھ عرصہ سے غائب تھی۔ غالباً وہ نجمہ سے اس کی وجہ دریافت کرتیں مگر اس کی نوبت ہی نہ آنے پائی۔ شکیل جب چچی کو دوا پلا کر باہر چلا گیا اور پردہ ہو گیا تو یہ دونوں نجمہ کے ساتھ عیادت کے لئے پہنچیں اور ان کو یہ دیکھ کر تعجب ہوا کہ آج مریضہ کے چہرے پر صحت کے تمام آثار موجود تھے۔ آنکھوں میں زندگی کی چمک چہرہ پر ایک واپس آنے والی تازگی اور آواز میں صحت یاب ہونے کا عزم۔ ان لڑکیوں سے دعا دیتے ہوئے کہا "اب دیکھو مجھ کو کتنا فرق ہے

آج ڈاکٹر نے بھی دیکھ کر کہہ دیا ہے کہ بس دس بارہ روز میں چلنے پھرنے کی اجازت مل جائے گی۔ تھوڑی دیر بیٹھنے کی اجازت تو آج ہی دیدی۔"

نجمہ نے خوش ہوکر کہا "دیدی اجازت تو پھر بیٹھئے۔ بٹھادوں آپکو؟"

ماں نے کہا "بیٹی تو تم ہی ابھی شکیل نے لٹایا ہے اور منع کیا ہے کہ اب نہ بیٹھنا"

ساجدہ نے کہا "خالہ جان واقعی اب تو آپ کی حالت بہت ہی اچھی ہے، کیا علاج بدل دیا ہے۔"

نجمہ کی والدہ نے ہنس کر کہا۔" ہاں اب ڈاکٹر شکیل کا علاج ہے۔"

ساجدہ دھوکہ کھا گئی۔" ڈاکٹر شکیل؟ ڈاکٹر شکیل کون خالہ جان؟"

نجمہ کی ماں نے کہا۔" بیٹی تم نہیں جانتی ڈاکٹر شکیل کو، میرا شکیل یہی ڈپٹی صاحب جو کہلاتا ہے۔ بیٹی اس نے میرے ساتھ وہ سلوک کیا ہے کہ میں تو تم سے سچ کہتی ہوں کہ نجمہ شاید نہیں کرسکتی۔ اس نے راتوں کی نیند حرام کر کے میری تیمارداری کی۔ دن کے آرام کو تج دیا۔ پھر ڈاکٹر نے میرے جسم میں خون پہنچانے کیلئے اُسکے جسم سے ڈھیروں خون نکال لیا۔ یہاں تک کہ وہ غریب بستر سے لگ گیا اور آخر یہ صحت کے آثار اسی کی خدمتوں کا نتیجہ ہیں۔ میں نے اس کے ساتھ ہمیشہ بے انصافی کی۔ جس کے بدلے میں خدا اس کو رہتی دنیا تک خوش رکھے: الٰہی وہ اپنی جوانی کا سکھ دیکھے اس نے مجھے بچالیا۔

ساجدہ نے کہا "خالہ جان میں چھوٹی ہوں، بڑوں سے میں کیا تو بات

رہ سکتی ہوں۔ اتنا تو میں بھی ہمیشہ سے جانتی تھی کہ شکیل بھائی کتنے بلند اور کتنے اچھے آدمی ہیں۔"

نجمہ کی ماں نے کہا۔" آدمی نہیں بیٹا وہ تو فرشتہ ہے۔ میری آنکھوں پر نہ جانے کیسے پردے پڑے ہوئے تھے کہ میں اس کو دیکھ نہ سکی۔ ہو نہ ہو میرا تو یہی خیال ہے کہ بھوتے مجھ پر جادو کر دیا تھا۔"

سب لڑکیاں ہنس دیں۔ ساجدہ نے کہا۔" جادو وہ بے چارے کیا کریں گے۔ بندر کی ایسی کھوپڑی تو خود ان کے لگی ہوئی ہے۔ مگر واقعی تعجب کی بات ضرور ہے کہ آپ نے اتنے دنوں تک شکیل بھائی کو سمجھا کیوں نہیں۔"

نجمہ کی ماں نے کہا۔" عقل پر پتھر پڑ گئے تھے۔ اور کیا کہہ سکتی ہوں اب تو مجھے اسی وقت اطمینان ہو گا۔ جب تمہارے شکیل بھائی دولہا بن کر آئیں اور نجمہ کو لے جائیں، دلہن بنا کر۔"

نجمہ شرما کر رہ گئی۔ باہر سے مولوی رجب علی صاحب کی آواز آئی" انشاء اللہ۔"

نجمہ نے پکار کر کہا۔" ابا جان پردہ ہے۔ ادھر نہ آیئے گا۔" مولوی صاحب اسی طرف لوٹ گئے۔ اور ادھر لڑکیاں بھی ہٹ گئیں۔ تاکہ وہ آ سکیں۔ نجمہ کے کمرے میں پہنچ کر ساجدہ نے اس کو دبوچتے ہوئے کہا۔" اری یہ کیا جادو کر دیا تیرے جادوگر نے۔"

نرگس نے کہا۔" سچ مچ خالہ جان تو جیسے اب شکیل بھائی کا

کلمہ پڑھنے لگی ہیں۔"

نجمہ نے الجھ کر کہا "چھوڑو تو سہی مجھ کو۔ اب بھی نہ پڑھیں کلمہ تو اندھیر ہے۔ میں تو ہزار مرتبہ مر کر زندہ ہو سکوں تو مجھ سے یہ خدمت نہیں ہو سکتی جو انہوں نے کی ہے۔ دوسرا مہینہ ہے کہ رات کو بہ مشکل ایک ڈیڑھ گھنٹہ سوتے ہوں گے۔"

ساجدہ نے کہا "اللہ رے تیری بے غیرتی۔ یہ میاں کی تعریف ہو رہی ہے۔"

نجمہ نے کہا "کیوں نہ کروں تعریف؟ تم جو ہر وقت اپنے رنگروٹ کا قصیدہ پڑھا کرتی ہو۔"

ساجدہ نے کہا "تعریف اس خدا کی جس نے میاں بنایا۔"

دوسرا مصرعہ جانے وہ کیا پڑھتی کہ شکیل کی آواز آئی "

"نجم!! جی میں نے کہا۔ مولانا نجم الدین۔"

ساجدہ نے اندر ہی سے کہا۔ "کہو بہن شکیلہ۔"

شکیل نے آواز پہچان کر کہا "یہ کون ساجدہ، اچھا ساجدہ وغیرہ آئی ہوئی ہیں۔"

نرگس نے کہا "کیوں شکیل بھائی اب میں وغیرہ ہو گئی۔"

شکیل نے دروازے کے پاس آ کر کہا "خدا آپ کو وغیرہ کے بجائے وغیرہ وغیرہ کرے۔ مگر ابھی اس کی کوشش نہ کیجئے گا۔ بھائی پروگرام ایسا بنایئے کہ شادی کے چار سال بعد صاحبزادے تشریف لائیں

اور وہ کہاں ہیں ریحانہ بیگم۔"

نجمہ نے کہا۔" وہ آج نہیں آئیں۔ آپ کیوں پکار رہے تھے مجھے۔"

شکیل نے کہا۔" پکار اس لئے رہا تھا کہ چچی جان کو اب آرام نہیں ملتا۔ آدھ گھنٹہ سے چچا جان بیٹھے ہوئے انشاء اللہ انشاء اللہ کر رہے ہیں اور ان کو بکوا رہے ہیں۔"

نجمہ نے کہا۔" وہ خود بھی خاموش لیٹنا نہیں چاہتیں۔ پھر آخر کیا کیا جائے۔"

ساجدہ نے کہا۔" شکیل بھائی میٹھا کھلوایئے۔ آپ نے تو خالہ جان پر جادو کیا ہے کہ ان کا بس چلے تو ابھی آپ کو اپنا داماد بنا ڈالیں۔"

شکیل نے کہا۔" اس کو داماد بنا ڈالیں کی بھی کیا تعریف ہوسکتی ہے۔ یہ ان کی عنایت ہے اور جو سلوک پہلے تھا وہ بھی ان کی بزرگی تھی۔"

ساجدہ نے کہا۔" آپ مٹھائی والی بات ٹال گئے۔"

شکیل نے کہا۔" گویا بیمار ہوئی تھیں چچی جان اور غسلِ صحت ہوا ہے میرا۔ رہ گئی مٹھائی وہ ان سے کھاؤ۔ اپنی سہیلی بوجھ پہیلی سے۔"

نرگس نے کہا۔" بوجھیں گے تو ان کو خیر آپ۔"

شکیل نے جلدی سے کہا۔" انشاء اللہ کہو انشاء اللہ۔ اس گھر

میں انشاء اللہ کہے بغیر بات کرنا ممنوع ہے۔"

نرگس نے کہا "اچھا خیر۔ انشاء اللہ پوچھیں گے تو ان کو آپ مگر اس غریب کا کیا ہوگا۔ بو میاں کا۔"

شکیل نے کہا "یہ فکر خود مجھ کو بھی ہے نجمہ کو مجھ سے زیادہ فکر ہے۔"

نجمہ نے جل کر کہا "مجھ کو کیوں فکر ہوتی۔ اس نیٹ غلطے کی طرف سے پہلے بھی چولہے میں تھا۔ اب بھی بھاڑ میں جائے وہ۔"

ساجدہ نے کہا "میری رائے میں اس کو ایک بکرا اور دو بندر خرید دیئے جائیں۔"

شکیل نے کہا "ایک بندر تو کپتان سعید ہو ہی گئے۔"

ساجدہ نے ٹھنک کر کہا "واہ شکیل بھائی آپ بھی مذاق کرتے ہیں حالانکہ بہن بنا چکے ہیں۔" شکیل نے کہا "تم کو بہن بنایا ہے۔ سعید کو تو بہن نہیں بنایا۔"

نرگس نے کہا "یہ چور کی داڑھی میں تنکے کا ہمیشہ ثبوت دیتی رہتی ہیں۔"

نجمہ نے کہا "اچھا سنئے۔ مہربانی فرما کر امامن بوا سے کہہ دیجئے کہ ہم لوگوں کو چائے پکوا دیں ذرا۔"

شکیل نے کہا "جو حکم ہو سرکار مگر امامن بوا کے پاس میرا بار بار جانا مناسب نہیں ہے۔ وہ یوں ہی اب دو مرتبہ کنگھی

کرنے لگی ہیں اور آج تو میری آنکھوں میں خاک وہ دھندلسا اور سرمہ لگایا ہے کہ پوری بریلی آنکھوں میں آباد نظر آتی ہے۔"

نجمہ نے کہا۔" اچھا خیر آپ کہیے مجھے ذرا۔"

شکیل ہنستے ہوئے باورچی خانے کی طرف چلے گئے۔

ساجدہ نے کہا۔" اے نجمہ یہ تمہارا مرد واکچھ بدحواس تو نہیں ہوگیا ہے، منہ سے بہت اور کرتا ہے مجھ سے مذاق۔"

نجمہ نے کہا۔" تو سعید کی آپ ٹھیکیدار ہیں، کھوک فروش ہیں۔ آخر ماجرا کیا ہے۔"

نرگس نے کہا۔" یہ ان کی ماں کہ ہے جناب آپ سمجھتی کیا ہیں۔ اور اب تو تاریخ بھی طے ہوچکی ہے۔ کل ان کا اور ان کا سامنا بھی ہوگیا۔"

نجمہ نے کہا۔" سچ، کیسے اور کیا ہوا۔"

ساجدہ نے کہا۔" ہونا کیا۔ میں کتاب لینے گئی تھی۔ بھائی جان کے کمرے میں وہ چلے آئے۔ بس بھائی وہاں سے بس اندر گیا ہونا۔"

شکیل نے آواز دی۔" نجم چائے تیار ہے۔ کھانے کے کمرے میں پہنچو۔" وہ یہ کہتے ہوئے نکل گئے۔ اور یہ سب کھانے کے کمرہ میں جا پہنچیں۔

مولوی رجب علی صاحب بیوی کی علالت سے جس قدر متفکر تھے اس سے کہیں زیادہ اب ان کی جسمانی اور جسمانی سے زیادہ دماغی صحت کی ان کو مسرت تھی۔ دراصل نجمہ اور بنو میاں کی شادی کے متعلق بیوی کی ضد ان کے لئے ایک مستقل عذاب تھی۔ اور ان کو اس سلسلہ میں بیوی کی صورت سے وحشت ہوتے ہوتے نفرت تک ہونے لگی مگر وہ ممنون تھے اس علالت کے جس نے ان کے دماغ کو درست کر دیا۔ وہ تو حضرت صاحب قبلہ کو جب یہ معلوم ہوا کہ مولوی رجب علی صاحب کی بیوی اب شکیل کے ساتھ نجمہ کی شادی کرنا چاہتی ہیں تو ان کو بھی مسرت ہوئی اور اس نسبت کی فوراً اجازت دیدی مگر بنو میاں بھی اس سلسلے میں غافل نہ تھے۔ ان کو میرٹھ سے واپس آنے کے بعد یہ تو معلوم ہو چکا تھا لیکن خالہ جان کی طرف سے

بالکل مایوس نہ ہوئے تھے۔ چنانچہ جب ان کو پوری طرح یقین ہو چکا کہ اب خالہ جان کے پاس جانے میں تیمارداری کرنے یا علاج معالجہ کی کوئی ذمہ داری لینے کا خطرہ نہیں ہے تو ایک دن اپنی تمام لیپاشوتوں سے مسلح ہو کر خالہ جان کی خدمت میں حاضر ہو گئے۔ وہ پہنچتے ہی تمام افسوس کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا۔ بتاؤں خالہ جان میری قسمت میں یہ بھی نہ تھا کہ آپ کی علالت میں آپ کی کچھ خدمت کر سکتا۔ میرٹھ جا کر ایسے مصائب میں گرفتار ہوا کہ کیا عرض کروں جاتے ہی اپنی موت بیمار ہو گیا۔ قیمتی جانور ریس کی تمام امیدوں کا اسی پر دارومدار مگر سائیس نے رشوت لے کر اس کو نہ جانے کیا کھلا دیا کہ خدا ہی نے اس کی جان بچائی۔ اسی سلسلہ کی دوڑ دھوپ میں ایک روز موٹر لڑ گیا ایک تانگہ سے۔ اب مقدمہ بازی شروع ہوئی۔ کیا عرض کروں کہ یہ زمانہ کیسا گزرا ہے؟"

بیگم صاحبہ نے کہا "ہاں تو میں شکایت کب کر رہی ہوں۔ شکایت تو اس سے کی جاتی ہے جس سے کوئی امید ہو، خالہ کی بیماری گئی چولہے میں جب ایسا قیمتی جانور بیمار پڑا ہوا تھا تو تم بے چارے واقعی کیا کرتے۔"

ببو میاں نے کہا "اس کا مطلب تو یہ ہے کہ آپ گویا ناراض ہیں۔ حالانکہ میں نے آپ کا حکم کبھی نہیں ٹالا۔ اگر آپ اس وقت کہہ دیں کہ گھوڑ دوڑ چھوڑ دے تو مردود ہو وہ پھر ریس کو اس کی

طرف بھتو کے بھی۔"

بیگم صاحبہ نے کہا۔" اے لو میں کیوں کہنے لگی۔ کہ تم یہ چھوڑ دو اور وہ اختیار کرلو۔" سامنے سے ماما گزرتی ہوئی نظر آئی تو بیگم صاحبہ نے آواز دے کر کہا۔" امامن بوا ذرا خانساماں سے کہدو کہ شکیل میاں کے آنے کا وقت آگیا ہے۔ چائے دم کر دیں۔"

بو میاں نے کہا۔" خانساماں کیا کوئی نیا رکھا ہے؟"

بیگم صاحبہ نے کہا۔" شکیل میاں کا خانساماں ہے۔"

بو میاں نے کہا۔" خوب! خوب! اتنی محدود تنخواہ میں خانساماں وغیرہ رکھیں گے تو بچے گا کیا؟"

بیگم صاحبہ نے کہا۔" میں اس سے کہہ دوں گی کہ اگر کچھ بھی نہ بچے تو بھی وہ تم سے قرض مانگنے نہ جائے۔"

بو میاں نے گھبرا کر کہا۔" نہ نہ، نہ، غالباً آپ برا مان گئیں میرا مطلب تو یہ تھا کہ نئی نئی ملازمت ہے۔ ابھی سے یہ غیر ضروری ٹھاٹھ کچھ مناسب نہیں ہوں۔"

بیگم صاحبہ نے کہا۔" وہ آتا ہوگا۔ اسی کو یہ مشورہ دینا تاکہ وہ اس ہمدردی کا شکریہ ادا کرے۔"

بو میاں نے کہا۔" مگر خالہ جان میں تو کچھ نقشہ ہی بدلا ہوا دیکھ رہا ہوں آپ تو ایسی ان کی طرفداری کر رہی ہیں گویا وہی ہیں جو کچھ ہیں۔"

بیگم صاحبہ نے آنکھ چار کرتے ہوئے کہا "بے شک ہیں اور کیوں نہ ہوتے جس نے اپنی جان تک میری بیماری میں لگا دی جس نے اپنے خون سے میری زندگی کو سینچا میں اس کو نہیں تو کس کو سب کچھ سمجھوں گی۔"

بو میاں نے کہا "واقعی خوشامد سے تو خدا بھی راضی ہو جاتا ہے کاش آپ سچی محبت کو دیکھتیں۔"

بیگم صاحبہ نے تنفر سے منہ پھیر کر کہا "بس بو میاں بس۔ اب میرا منہ نہ کھلواؤ میں تم سے کوئی شکایت کرنا نہیں چاہتی۔ سچائی تو تمہاری محبت کی اس وقت دیکھ لی تھی جب خالہ کو موت کے منہ میں چھوڑ کر ریس کھیلنے میرٹھ گئے تھے اور خیریت تک پوچھنے کو تمہیں خط بھیجنے کی توفیق نہیں ہوئی۔"

بو میاں نے کہا "آپ کے سر عزیز کی قسم خانہ جان ہی موت سخت بیمار تھا۔ چالیس ہزار کا گھوڑا جس سے لاکھوں کی امید تھی واقعی موت کے منہ میں تھا اور اب تک اس کا یہ حال ہے کہ دیکھ لیجئے گا بہت جلد مر جائے گا۔"

مولوی صاحب نے آتے ہوئے کہا "انا للہ۔ انشاء اللہ۔ یعنی میرا مطلب یہ کہ ماشاء اللہ آج تو بو میاں سلمہ تعالیٰ نظر آرہے ہیں۔ اور یہ عجیب اتفاق ہے کہ میں ان ہی کے متعلق کچھ باتیں کرتے آ رہا تھا۔ ابھی ابھی مجھے اطلاع ملی ہے کہ لکھنؤ کی دو آخری گھڑدوڑ کو

بھیجنے کا ارادہ تم نے کر لیا ہے کیا یہ واقعہ ہے۔"

بیگم صاحبہ نے کہا "ارادہ کیا ہو یا نہ کیا ہو تم سے کیا مطلب؟"

مولوی صاحب نے فرمایا "مطلب تو نہ تھا نہ انشاءاللہ ہوگا مگر تصدیق چاہتا تھا۔ اس اطلاع کی۔"

بنو میاں نے کہا۔ "خالو جان بات یہ ہے کہ میرا ارادہ حج بیت اللہ شریف کا ہے۔"

مولوی صاحب نے ہنس کر فرمایا "انشاءاللہ مگر میاں سے

تو کار زمین را نکو ساختی   کہ با آسمان نیز پرداختی

بنو میاں نے کہا۔ "جی ہاں، بس ارادہ یہی ہے کہ اب اس فرض کو بھی ادا کر ہی ڈالوں۔"

مولوی صاحب نے کہا۔ "انشاءاللہ، مگر اس کے لئے تو تمہارے پاس کافی نقد ہونا چاہئے۔ آخر اس قدر نقد روپیہ تھا۔ پھر الہ آباد کی جائداد ختم کی۔ لکھنؤ کی تمام جائداد ختم ہوئی اب تو صرف یہ دو کوٹھیاں رہ گئی تھیں۔"

بیگم صاحبہ نے کہا "توبہ ہے تم ان کے ولی ہو، سرپرست ہو خدائی فوجدار ہو، آخر کیا ہو، تم سے کیا وہ خود عاقل بالغ ہیں۔ تم بولنے والے آخر کون ہو؟"

بنو میاں نے خوشامد کے لہجے میں کہا۔ "خالہ جان بس اب معاف بھی کر دیجئے خدا تک بندوں کو معاف کر دیتا ہے۔ اگر ہنی مون

بیمار نہ ہوتا تو بھلا میری یہ مجال تھی کہ میں آپ کی خبر نہ لیتا۔"

مولوی صاحب نے پوچھا ــ "یہ ہنی مون کون بزرگ ہیں؟"

بیگم صاحبہ نے کہا "آپ کے گھوڑے کا اسم شریف ہے۔"

مولوی صاحب نے قہقہہ لگاتے ہوئے کہا۔ "بھئی ماشاءاللہ سبحان اللہ جزاک اللہ، خالہ کی علالت اور گھوڑے کی علالت کا مقابلہ اور اب بھی خالہ جان ہیں کہ ہنہناتی ہیں۔"

اتنے میں چرمر چرمر کرتے ہوئے شکیل نے داخل ہو کر نہایت خندہ پیشانی سے کہا۔ "اخاہ بو بھائی ہیں، آداب عرض۔"

بو میاں نے خشک منہ سے کہا۔ "آداب عرض ڈپٹی صاحب اب تو شہر کے حکام میں سے ہیں آپ۔"

بیگم صاحبہ نے بات کاٹ کر کہا۔ "اللہ رکھے ہیں ہی، اس میں بھی کوئی کہنے سننے کی بات ہے۔"

شکیل نے بات ٹالتے ہوئے کہا۔ "مزاج تو اچھے ہیں آپ کے، بہت دنوں کے بعد ملاقات ہوئی۔"

بو نے طنز سے کہا۔ "ہماری آپ کی ملاقات ہی کیا۔ آپ حاکم ہم رعایا۔ خدا آپ کے مرتبے کو اور بڑھائے۔"

مولوی صاحب کو موقع ملا "انشاءاللہ۔"

شکیل نے کہا۔ "کہاں رہے ان دنوں آپ۔"

بو میاں نے کہا۔ "اسی جھونپڑے میں جس کا راستہ حاکم ہونے

سے پہلے جناب کو بھی معلوم تھا۔"

شکیل نے کہا۔" نہیں میرا مطلب یہ ہے کہ اس طرف آپ کا آنا نہیں ہوا۔"

بو میاں نے کہا۔" میں سمجھا کہ اب ڈپٹی صاحب کا چپراسی نہ گھر میں گھسنے دے۔"

بیگم صاحبہ سے ضبط نہ ہو سکا۔" یہ اس کا ڈپٹی ہونا آخر کیوں کھٹک رہا ہے۔"

شکیل نے ہنس کر کہا۔" ارے نہیں چچی جان، بو بھائی تو یوں ہی کہہ رہے ہیں۔ مذاق میں، آیئے، بو بھائی چلئے چلئے بیٹھیں۔"

بو نے کہا۔" معافی، معافی چاہتا ہوں اور خالہ جان آپ سے بھی اجازت چاہتا ہوں، مجھ کو نہیں معلوم تھا کہ آپ کو میرا آنا اس قدر ناگوار ہوگا۔"

شکیل نے کہا۔" کیا بات ہوئی آخر بو بھائی میری طرف سے تو کوئی غلط فہمی نہ ہوئی آپ کو۔"

بیگم صاحبہ نے کہا۔" تم جا کر چائے پیو تم سے کوئی مطلب نہیں۔"

شکیل خاموشی کے ساتھ وہاں سے ٹل گیا۔ اور کمرے میں جیسے ہی داخل ہوا نجمہ نے اس کو ٹوک کر کہا۔

آپ کے اخلاق کے مارے اور ناک میں دم ہے۔" بو بھائی بو بھائی اور اس کم بخت کا مزاج ہی نہیں ملتا۔ خبردار جو آپ نے اس

کو منہ لگایا کبھی ۔۔۔"

شکیل نے کہا "اور آپ یہاں چھپی کیوں کھڑی ہیں ؟"

نجمہ نے کہا "ابا جان سے پردہ کرایا ہے ۔ اچھا چلئے آپ چائے پیجئے ۔"

نجمہ شکیل کو لے کر چائے کی میز پر آگئی ۔ خدا جانے تب کس وقت دفان ہوئے ۔

ساجدہ اور ریحانہ یعنی کپتان سعید اور اشتیاق کی شادیوں کی
تاریخیں ایسی رکھی گئی تھیں کہ صرف دو دن کا درمیان میں وقت ملت
تھا۔ پہلے اس منزل سے ساجدہ اور کپتان سعید کو گزرنا تھا۔ لہذا
نجمہ اور ان کی والدہ کے علاوہ شکیل کا بھی زیادہ وقت اختر کے یہاں
گزرتا تھا۔ اختر کے یہاں آجکل دراصل دہرے دہرے انتظامات
تھے۔ ایک تو ساجدہ کے جہیز کی ترتیب۔ دوسرے کپتان سعید
کی طرف سے انہی لوگوں کو تمام انتظام کرنا تھے۔ ان کا کوئی عزیز
شادی میں شرکت نہیں کر رہا تھا۔ اس لئے کہ کپتان صاحب کی
نسبت خاندان ہی کی ایک لڑکی سے ٹھہری ہوئی تھی۔ جس سے یہ
خود شادی کرنا نہیں چاہتے تھے۔ لہذا تمام خاندان نے ان کا
بائیکاٹ کر رکھا تھا۔ کپتان سعید اختر کے ہم جماعت بھی تھے

اور بعد میں بھی اس طالب علمانہ دوستی کو استوار کرتے رہے چنانچہ میدان جنگ سے واپس آنے کے بعد بہت دنوں تک اختر کے پاس ٹھہرے اسی عرصہ میں ساجدہ کی ایک آدھ جھلک دیکھ کر اور اس کی ایک آدھ بات سنکر ان کی یہ خواہش ہوئی کہ یہ دوستی رشتہ داری میں بدل جائے۔ اختر کو بھی ان پر بھروسہ تھا۔ اور تھوڑا سا بیوقوف سمجھنے کے علاوہ وہ کپتان سعید میں اور کوئی عیب نہ دیکھتے تھے۔ لہذا یہ نسبت طے ہو گئی یہاں تک کہ جب سعید نے اختر کو اپنے خاندانی بائیکاٹ کے تمام حالات صاف صاف بتا دیئے تو اختر نے پہلے تو سعید کو یہی مشورہ دیا کہ وہ ان حالات کے ماتحت اپنے اس ارادہ پر نظر ثانی کرے۔ مگر جب سعید کے عزم کو پختہ دیکھا تو ان کی طرف سے بھی تمام انتظامات اپنے ذمہ لے لئے۔ ساجدہ کی والدہ کو یہ نسبت اور بھی پسند تھی۔ اس لئے کہ ان کو گھر داماد مل رہا تھا۔ اور ساجدہ کی رخصت ہونے کا فی الحال کوئی امکان نہ تھا۔ چنانچہ آج کل اشتیاق اور شکیل تو سعید کی طرف سے اشتیاق کے یہاں انتظام کر رہے تھے۔ اور سعید خود اشتیاق کی شادی کے انتظامات میں معروف تھے۔ نجمہ کی سرگرمیوں کا پوچھنا کیا۔ اس کی سب سے چہیتی سہیلی کی شادی تھی۔ ساجدہ کی ماں ویسے ہی نجمہ کی انتظامی قابلیت کا لوہا منور اور نرگس کی شادی میں مان چکی تھیں۔ چنانچہ اس مرتبہ بھی

اس حسن وخوبی کے ساتھ جہیز کو ترتیب دیا ہے کہ ہر ایک جھوم جھوم اٹھتا تھا۔ ہر چیز کی ایک علیحدہ فہرست، فرنیچر الگ، برتن الگ کپڑے الگ، زیور الگ، مختصر یہ کہ اس نے جہیز کا ایک عجائب خانہ بنا رکھا تھا۔ اور ایک طرف کارخانہ سا کھلا ہوا تھا، جس میں کہیں فرنیچر پر پالش ہو رہی ہے کہیں زیوروں کی ضروری مرمت کا کام جاری ہے۔ ایک طرف درزی خانہ ہے ایک طرف قلعی گر اپنے کام میں مصروف ہے اور ان میں سے ہر کام میں نجمہ ایسی مشاق کام کرنے والی کہ اس کی سوجھ بوجھ سے عاجز تھے کہ ذرا سی بے ایمانی کا موقع نہیں۔

باہر کے انتظامات میں شکیل کا اثر بڑی حد تک کام کر رہا تھا۔ ڈپٹی صاحب کے یہاں کی تقریب میں کون ہے جو ہاتھ نہ بٹائے گا۔

آخر ۱۷ اپریل بھی آ گئی۔ ساجدہ کو بنا کر نجمہ نے تیار کر دیا اور ادھر گھر کو سجا کر دلہن بنا دیا۔ شام کو شکیل اور اشتیاق کی قیادت میں سعید کی برات آئی اور ان ہی دونوں کی شہادت اور اختر کی وکالت میں سعید اور ساجدہ کا عقد ہو گیا۔ رخصت بھی اسی حد تک ہوئی کہ ایک کمرہ سے اٹھا کر دوسرے کمرے میں پہنچا دیا گیا۔ دلہن کے کمرے میں نجمہ اور نرگس کے علاوہ دو دن بعد دلہن بننے والی ریحانہ بھی موجود تھی حالانکہ وہ خود ماجے کی دلہن تھی جب نکاح

کے ہنگامے سے سب کو فرصت ملی اور ساجدہ کی والدہ نے بیویوں
و دلہن کے کمرے سے نکال کر دولہن کا چارج اس کی ان مخصوص
سہیلیوں کے سپرد کر دیا تو ساجدہ نے نرگس سے چپکے سے کہا
رے تمام جسم میں درد ہو رہا ہے۔ مجھے تھوڑی دیر کیلئے لٹا دو۔"
نجمہ نے تکیہ آگے بڑھا کر لٹاتے ہوئے کہا "بس تمام تیزی
ن ہوگئی۔ یوں تو بڑی برق بلا بنی تھیں حضور، اب مارے شرم
کے برا حال ہے۔"
ساجدہ نے ذرا آواز کھول کر کہا "بات یہ ہے کہ شادی ہے نا
ں لئے شرمانے کی کوشش کر رہے ہیں۔"
ریحانہ نے کہا "ہائے بے غیرت۔"
ساجدہ نے کہا "لیجئے وہ مستقبل قریب کی دولہن بھی بولیں۔"
نرگس نے کہا "مگر تمہاری طرح اپنی شادی کے معاملہ میں
نہیں بولی۔"
نجمہ نے کہا "یہ ماضی بعید کی دلہن اپنی ہونے والی بھاوج
ں طرفداری کر رہی ہے۔"
ریحانہ نے کہا "ساجدہ تم نے دولہا کو آج دیکھا ہوتا تو محفل
میں پھاند پڑتیں۔ سچ مچ بڑے اچھے معلوم ہوتے ہیں دولہا
بنے ہوئے۔"
ساجدہ نے کہا۔ "اے تیری آنکھوں میں خاک ماشاءاللہ بھی نہیں

کہتی بے شرم"۔

نجمہ نے کہا "ہائے تیری نوجتا"۔

ریحانہ نے ہنس کر کہا "یہ نوجتا کیا بلا ہے"۔

نجمہ نے کہا "یہ ماماتا کی طرح ایک چیز ہے۔ ماں محبت میں گڑبڑائے تو ماماتا کرنے لگتی ہے۔ بیوی یعنی زوجہ محبت میں بوکھلائے تو اس کو نوجتا کہتے ہیں"۔

نرگس نے کہا "مگر مجھے تو رہ رہ کر اس بے چاری لڑکی کا خیال آرہا ہے جو سعید بھائی کی منگیتر تھی کہ اب اس کا کیا ہوگا؟"

ساجدہ نے کہا "ہاں بہن سچ کہتی ہو، مجھے خود یہ بات کچھ خود غرضی سی معلوم ہو رہی ہے۔ خیر اگر موقع ملا تو اب میں ان سے کہوں گی کہ لو بہن یہ تمہاری امانت تمہارے حوالے ہے"۔

ریحانہ نے کہا "ایسے ہی تو جناب فیاض ہیں۔ اس وقت خیال نہ آیا جب پرائے منگیتر کو جلوے دکھا کر اپنا رہی تھیں"۔

ساجدہ نے کہا "اے تجھے خدا کی مار میں نے کب جلوے دکھائے اور جلوے میرے پاس تھے ہی کہاں جو دکھاتی"۔

نرگس نے کہا "خیر یہ تو آپ کی خاکساری ہے۔ جلوے تو آپ کے پاس اس قدر ہیں کہ اس کنٹرول کے زمانے میں اگر راشننگ والوں کو خبر ہو جائے تو ہورڈنگ کے سلسلے میں چالان کر دیں"۔

ریحانہ نے کہا "اور فرماتی ہیں کہ جلوے کب دکھائے تھے جلوے

سب سے پہلے تو ڈرائنگ روم میں جناب سے ان کا تصادم ہوا تھا پھر موٹر کا جس دن پر وہ گرا ہے اور وہ اگلی سیٹ پر بیٹھے تھے۔ اس کے بعد جب آپ کی تصویر کمرے میں سے چوری گئی ہے۔ اور آپ ان کے سوٹ کیس سے نکالنے گئی تھیں اور خود ہی پکڑی گئی تھیں۔"

ساجدہ نے اس کا منہ بند کرتے ہوئے کہا "اللہ کی سنوار تجھ پر آخر انہوں نے تصویر کیوں چرائی تھی۔"

ریحانہ نے کہا "آپ ان کا دل چرالیں تو کوئی بات نہیں۔۔ وہ بیچارے تصویر بھی نہ چراتے کیوں؟"

نجمہ نے کہا "بھئی تم سب کی سب ہو بڑی آفت کی پرکار۔"

نرگس نے کہا "بات یہ ہے کہ ان بیچاریوں کے منگیتر ان سے چھپائے جاتے ہیں شکیل بھائی، شکیل بھائی کہہ کر یہ سامنے نہیں آیا کرتیں۔"

نجمہ نے کہا "اچھا اب مجھ پر عنایت ہوئی ہے۔ کیا یہ واقعہ نہیں ہے کہ وہ فی الحال میرے بھائی ہیں۔"

ساجدہ نے کہا "اس لفظ میں فی الحال اس شعر کی روح ہے کیا خوب کہا ہے۔ مکرر ارشاد۔"

نجمہ نے کہا "کون کہہ سکتا ہے کہ یہ ابھی بیاہی ہوئی دلہن ہے خیریت یہ ہوئی کہ ساس نندیں نہیں آئی ہیں۔ ورنہ بھاگتیں سر پر پیر رکھ کر دلہن کیا ہے۔ بلائے بے درماں ہے۔"

ساجدہ نے منہ بنا کر کہا۔ "بھئی بس یہ بات نہ کہا کرو۔ میرا دل بھر آتا ہے کہ نہ میری ساس آئی ہیں نہ نندیں اور مجھے تو یہ بھی فکر ہے کہ آخر رخصتی کے وقت رونے کی کیا تقریب نکالی جائے گی۔ گھر سے جانا تو ہے ہی نہیں کہیں۔ نہ کوئی مجھ سے مل کر روئے گا۔ نہ میں کسی سے مل کر روؤں گی بھلا یہ بھی کوئی شادی میں شادی ہے۔"

یکایک گھر میں شور اٹھا کہ دولہا آتا ہے، نجمہ نے دولہن کو باقاعدگی سے بٹھا کر کمرے کا دروازہ کھول دیا اور خود کرٹن کے پیچھے سب لڑکیاں چھپ گئیں ــــ گھر کی بڑی بوڑھیوں نے دلہن کو آکر گھیر لیا۔ اور ساجد کی والدہ دولہا کو ساتھ لے کر اسی کمرے میں آگئیں اور ہنس کر بولیں ــــ "بھئی میں دولہا کی ماں ہوں، دلہن کی ماں نجمہ کی ماں کو سمجھو، میرے لڑکے سے زیادہ رسمیں وسمیں نہ کرانا۔ وہ یوں ہی ہلکان ہو رہا ہے ــ"

ڈومینیوں نے بڑے گانا شروع کر دیئے۔ اور بڑی بوڑھیوں نے آخر کچھ رسموں کی بنا ڈال ہی دی۔ لندن کی سیر کئے ہوئے دولہا کو ڈومینیوں نے اپنے اشاروں پر چلانا شروع کر دیا۔ کر کہو میاں بیوی کے ساتھ چلوں گا یا پوشیں ہاتھ میں لوں گا۔ بیوی آنکھیں کھولو، تمہارا غلام ہوں، اور بیچارے دولہا کو سب ہی کچھ کہنا پڑا۔ آرسی مصحف سے چھٹی پاکر بمشکل تمام دولہا کو آزاد کیا گیا۔ اسی وقت چونکہ رخصتی بھی مقامی طور پر ہونے والی

تھی ۔ لہذا اسلام کرائی کی وصولیابی بھی شروع کردی گئی اور جب دولہا میاں روپے اور دعایئں بٹور کر باہر چلے گئے تو کھانے کا ہڑبونگ رات کو بارہ بجے تک ہوتا رہا ۔ بارہ بجے کے بعد ساجدہ کی بے پناہ ذہانت سعید کے ہاتھوں کا کھلونا بنی ہوئی تھی اور چہکنے والی چڑیا اسطرح چپ تھی گویا صیاد نے اس کی گویائی بھی چھین لی ہے ۔

وہاں تو شادیوں کی چہل پہل تھی۔ ساجدہ اور سعید کی شادی کے بعد ہی اشتیاق اور ریحانہ کی شادی کی سرگرمیاں شروع ہو گئیں اور عین اس وقت جب کہ دوسری تقریب کے موقع پر دستر خوان چنا جا رہا تھا۔ مولوی رجب علی صاحب کو اطلاع ملی کہ ببو میاں کو حسو کے کمرے پر قمار بازی کے سلسلے میں پولیس نے گرفتار کر لیا ہے۔ لاکھ غیر متعلق سہی، مگر پھر بھی عزیز داری کا معاملہ تھا۔ بدنامی صرف اس تنگ خاندان ہی کی نہیں خاندان بھر کی تھی۔ مولوی صاحب سٹ پٹا کر رہ گئے، پہلے تو کچھ سمجھ ہی میں نہ آیا۔ اس کے بعد سب سے پہلے شکیل سے بلا کر کہا کہ یہ واقعہ ہو گیا ہے۔ شکیل نے ان کو مطمئن کر کے فوراً ایک گاڑی کی اور کوتوالی آموجود ہوا۔ ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ پولیس سے کچھ ذاتی مراسم کچھ ہم عصری کا

اثر اس نے تمام تفصیلات بتا کر مشورہ دیا کہ اب اس سلسلہ ضمانت وغیرہ کی تمام تفصیلات بتاکر مشورہ دیا کہ اب اس سلسلہ ضمانت وغیرہ کی کوشش کرنے کی بجائے اگر یہ کوشش کریں کہ مقدمہ آپ ہی کے اجلاس میں آجائے تو زیادہ مفید ہوگا۔ چنانچہ وہ فوراً کلکٹر کے پاس پہنچا۔ اور تمام معاملات طے کرنے کے بعد مولوی رجب علی صاحب کو آکر مطمئن کیا کہ ببو میاں کے لئے زیادہ مفید یہ ہوگا کہ میں ضمانت وغیرہ کے جھگڑوں میں نہ پڑوں بلکہ ان کا مقدمہ اپنے ہی اجلاس پر لانے کی کوشش کروں۔ حالانکہ ابتدائی ملازمت اور ببو میاں سے عزیز داری چیزیں ایسی ہیں کہ خود میرے لئے مضر ہیں۔ مگر میں ان کو بچانے کے لئے اس کی پرواز نہ کروں گا۔ مولوی صاحب نے بیگم صاحبہ اور نجمہ کو جلد سے جلد اس تقریب سے چھٹی دلائی اور شکیل کو ساتھ لے کر سیدھے گھر پہنچے۔ بیگم صاحبہ کو جب یہ اطلاع ملی کہ ان کے ہونہار بھانجے نے خاندان کا نام اس طرح روشن کیا ہے تو ان کی عجیب حالت ہوگئی، ایک طرف تو غصہ میں دل چاہا کہ کوئی بھی اس کم بخت کی خبر نہ لے اور جیسا کیا ہے ویسا ہی بھرے۔ دوسری طرف خون کا جوش، آخر خود شکیل نے کہا۔

"خالہ جان جو کچھ ہونا تھا وہ تو ہو ہی گیا۔ مگر اب سوال یہ ہے کہ کیا کیا جائے۔ ضمانت کرنا اس لئے خطرناک ہے کہ ببو میاں کی طرف

ہے مجھ کو اطمینان نہیں۔"

بیگم صاحبہ نے بات کاٹ کر کہا "بیٹا تم اس معاملہ میں نہ پڑو۔ اپنی عزت اپنے ہاتھ، اللہ نے تم کو عزت دی ہے تم کو تو یہ کہتے ہوئے بھی شرم آئے گی کہ یہ کم بخت جواری جو رنڈی کے کوٹھے پر تنبولی اور زر دوز وغیرہ کے ساتھ گرفتار ہوا ہے تمہارا عزیز ہے۔"

مولوی صاحب نے فرمایا "بے شک یقیناً میرا مشورہ بھی یہی ہے کہ شکیل میاں اس سلسلے میں بالکل غیر متعلق رہیں۔ میں خود اس کو مناسب نہیں سمجھتا کہ اس کے ساتھ ان کی بھی رسوائی ہو۔"

شکیل نے کہا "خیر بری تو وہ ہو جائیں گے اس لئے کہ مقدمہ میرے ہی اجلاس میں آ رہا ہے۔"

مولوی صاحب نے کہا "غلط، قطعاً غلط۔ تمہارے لئے یہ بھی نا مناسب ہے کہ اس کا مقدمہ تم کرو، فوراً یہ خبر اڑ جائے گی کہ ڈپٹی صاحب عزیز داری کا پاس کر گئے۔ مگر سوال یہ ہے کہ پھر آخر کیا ہو؟"

بیگم صاحبہ نے کہا "اس کم بخت نے ناک کاٹ لی سب کی۔ آج تک خاندان میں ایسا کبھی نہ ہوا ہوگا۔"

مولوی صاحب نے کہا "اب تم ہی کہو کہ اس کم بخت کو تم آستین کا سانپ بنانا چاہتی تھی۔ اگر خدا نخواستہ میں تمہارے کہنے میں آ کر بجمہ کی شادی اس کم بخت سے کر دیتا تو آج سوائے

خودکشی کے اور میرے لئے کوئی چارہ نہ تھا۔"

شکیل تبدیلی لباس کے لئے اپنے کمرے کی طرف چلا ہی تھا کہ نجمہ نے راستہ میں اس کو روک کر کہا۔ "ذرا ایک بات میری سن لیجئے۔"

شکیل نے نجمہ کے کمرے کی طرف جاتے ہوئے کہا۔ "ایک نہیں ہزار باتیں سنوں گا۔" سہ

میں سننے کیلئے پیدا ہوا ہوں

وہ جو چاہیں کہیں ان کی زبان ہے

نجمہ نے کمرے میں پہنچ کر کہا۔ "میں صرف یہ کہنا چاہتی ہوں کہ اس گندگی سے آپ دامن بچائے رکھیں تو اچھا ہے آپ اپنی عادت سے مجبور ہیں۔ مدد ضرور کریں گے۔ خواہ کوئی کتنا ہی منع کرے مگر خدا کے لئے اپنے واسطے کوئی بدنامی ان حضرت کی وجہ سے نہ خرید لیجئے گا۔"

شکیل نے مسکرا کر کہا۔ "میرا تو ارادہ یہ ہے کہ جس طرح ہو با عزت طریقہ پر ان حضرت کو بری کر دیا جائے تاکہ ڈپٹی کلکٹری کے دو چند دن پہلے مجھ کو اتنے طعنے دیئے گئے ہیں۔ وہ ہی ڈپٹی کلکٹری ان کو شرمندہ کر سکے۔"

نجمہ نے کہا۔ "با عزت رہائی چہ خوش، عزت کو بھی آپ ان کے لئے بے عزت کریں گے۔ جو شریفانہ جواب آپ ان کو دینا چاہتے

ہیں وہ اس کے اہل ہی نہیں۔ آج آپ ان کو رہا کرا دیں گے۔ کل وہ کسی اور جرم میں گرفتار ہوں گے۔ مجھے ان کا مستقبل ہمیشہ سے مجرمانہ نظر آیا ہے اور میرا یہ تصور بالکل صحیح نکلا۔"

شکیل نے کہا "بری بات ہے۔ نجمہ اگر وہ برے ہیں تو ان سے زیادہ ہمارے اچھے سلوک کا کوئی اور مستحق نہیں ہو سکتا۔ مگر تم مطمئن رہو۔ میں ہاتھ پیر بچا کر کام کروں گا۔"

شکیل باتیں کر ہی رہا تھا کہ باہر سے اختر کی آواز آئی اور نجمہ نے آواز پہچان کر کہا۔ اختر بھائی معلوم ہوتے ہیں۔ شکیل فوراً باہر آ گیا۔ اختر نے اس کو دیکھتے ہی تشویش کے ساتھ پوچھا "خیریت تو ہے۔ آخر واقعہ کیا ہے۔ تم سب کے سب ایک دم وہاں سے چلے آئے۔ وہاں طرح طرح کے خیال پیدا ہو رہے ہیں۔ اگر کسی سے کوئی شکایت پیدا ہوئی ہے۔ تو بھی تم کو کم سے کم وہی حق حاصل تھا جو اپنے گھر پر مجھ کو ہے۔ آخر بات کیا ہے؟"

شکیل نے اختر اور سعید کو علیحدہ بٹھا کر تمام تفصیلات بیان کیں کہ کیا حادثہ ہو گیا ہے۔ اور کہا کہ اس قصہ کو مشہور کرنے کی بجائے مناسب یہی معلوم ہوا کہ ہم لوگ فوراً گھر آ جائیں اور یہاں اطمینان سے بیٹھ کر ان کے متعلق کچھ غور کر سکیں۔" اس کے بعد اپنی تمام کوششوں کی تفصیل اور اپنے ارادہ سے ان کو آگاہ کیا۔

اختر نے سب کچھ سنکر کہا۔" جی نہیں۔ جی نہیں آپ کے لئے ضمانت بھی مناسب نہیں۔ اور یہ بھی غلط ہے کہ آپ کے اجلاس میں یہ مقدمہ آئے اس کی ترکیب دوسری ہے۔ میں ابھی جا کر ضمانت کرتا ہوں اور کوشش اس بات کی کرتا ہوں کہ مقدمہ تواری جی کے اجلاس پر آجائے۔ وہ سعید کے دوست بھی ہیں۔ پھر تمہارا بھی خیال کریں گے اور ایک جانبدار کی حیثیت سے ببو میاں کو رہا کردیں گے تو کسی کی نظر تم پر نہ پڑ سکے گی۔"

سعید نے بھی اس تجویز کی تائید کی۔ لہٰذا اختر فوراً کوتوالی پہنچے اور ضمانت پر میاں کو رہا کرا کے اپنے ساتھ ہی لے آئے۔"

ببو میاں کی جگہ کوئی اور ہوتا تو شاید خالہ اور خالو کو منہ دکھانے کے بجائے مرجانا پسند کرتا۔ مگر ان حضرت کے دم خم وہی تھے۔ آتے ہی شکیل سے کہا۔" شکیل صاحب آپ نے بیکار دوڑ دھوپ کی میں تو یہ طے کرچکا ہوں کہ اس سلسلے میں پولیس پر مقدمہ چلا کر رہوں گا کہ آخر تاش کھیلنا کون سا جرم ہے۔ جس پر پولیس نے میری عزت پر ہاتھ ڈالا۔"

شکیل نے کہا۔" تاش کھیلنا تو جرم نہیں ہے ببو میاں بشرطیکہ اس کو جرم بنا نہ دیا جائے۔ اگر یہی آپ کلب میں بیٹھ کر کھیل رہے ہوتے اور بازیاں اس سے بھی بڑھ کر لگ رہی ہوتیں تو بھی کوئی مضائقہ نہ تھا۔ مگر جس جگہ آپ کھیل رہے تھے وہ تفریح

کے طور پر تاش نہیں کھیلتے بلکہ یہ ان کا پیشہ ہے۔"

روداد یہ مرتب ہوئی کہ مسماۃ حسو کے یہاں باقاعدہ جوا کھلوایا جاتا ہے اور اس کے کمرے کو غیر قانونی قمار خانہ کی حیثیت حاصل ہے۔ نال نکالی جاتی ہے۔ مجز خود اس جماعت کا ممبر ہے۔ جس نے تمام روپیہ ہار جانے کے بعد قرض کھیلنا چاہا۔ مگر جب آپ لوگ راضی نہ ہوئے تو اس نے مخبری کر کے آپ لوگوں کو کھیلتے ہوئے اور نال نکالتے ہوئے گرفتار کرادیا۔ اب آپ ہی بتایئے کہ یہ جرم ہوا یا نہیں۔۔"

اختر نے کہا "اب آپ پولیس پر مقدمہ چلانے کا خیال فی الحال ذہن سے نکال کر خود اپنے لئے صفائی کے امکانات پر غور کریں۔ پولیس نے مقدمہ کو نہایت مضبوط بنادیا ہے یہ واضح رہے"

سعید نے کہا "اور مسماۃ حسو کا بیان نہایت خطرناک ہے اس نے صاف صاف لکھوادیا ہے کہ واقعی نال نکالی جاتی تھی اور میرے بھائی حشمت اور ببو میاں کا اس میں ساجھا تھا"

ببو میاں غصے سے کھڑے ہو کر بولے "حرامزادی"

شکیل نے ان کو سمجھاتے ہوئے کہا "یہ غصہ کا وقت نہیں، بلکہ سبق حاصل کرنے کا ہے۔ بہر حال آپ اطمینان سے بیٹھئے ہم لوگ اپنی کوشش میں جاتے ہیں" یہ کہہ کر شکیل، اختر اور سعید کے ساتھ چلے گئے۔

ساجدہ اور نرگس کے علاوہ ریحانہ بھی اب شادی شدہ تھیں اور صرف نجمہ باقی رہ گئی تھی۔ مگر اس کی طرف سے بھی سب کو ایک قسم کا اطمینان تھا۔ کم سے کم اب وہ امید و بیم کا عالم نہ تھا۔ جو بیو میاں کی بدولت کچھ دن پہلے تھا۔ نجمہ کا اضمحلال بھی اب شگفتگی میں تبدیل ہوچکا تھا اور چونکہ یہ قطعی طور پر طے تھا کہ اب عنقریب وہ شکیل سے زندگی بھر کے لئے وابستہ کردی جائے گی۔ لہذا خود اس کے گھر پر شکیل کے ساتھ وہی سلوک ہو رہا تھا جو داماد کے ساتھ ہونا چاہئے۔ مولوی صاحب کو شکیل پر بے حد اعتماد تھا۔ اور وہ شکیل کی بلندی کو سمجھتے ہوئے اس کی قطعاً ضرورت نہ سمجھتے تھے کہ نجمہ کو ان سے چھپایا جائے۔ بیگم صاحبہ کی طرف سے یوں ہی شفقتوں کی بارش سے شکیل شرابور رہا کرتے تھے۔ وہ پھر بھی عورت تھیں۔ اپنے دل کو لاکھ اطمینان سہی

مگر دنیا کا ڈر ان کو مارے ڈالتا تھا۔ کہ کہنے والوں کی زبان کو کس طرح روکیں گے۔ غالباً اسی وجہ سے شکیل کو سمجھا دیا تھا کہ میں نہ تو نجمہ کو پردہ کراتی ہوں اور نہ تم کو منع کرتی ہوں کہ تم اس کو کہیں اپنے ساتھ لے جاؤ مگر بیٹا یہ دنیا ہے، جتنے منہ ہیں اتنی ہی زبانیں ہیں۔ ہر ایک اپنے آئینے میں سب کی صورت دیکھتا ہے۔ اس لئے اچھا یہی ہے کہ تم خود ذرا دنیا کو دکھانے کے لئے الگ تھلگ رہا کرو۔ شکیل اس اعتیاری نزاکت کو سمجھتا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ جب ان شادی شدہ جوڑوں نے طے کیا کہ پکنک کی جائے اور شہر سے دور چل کر کسی باغ میں تمام دن ہلڑ مچایا جائے تو بجائے اس کے کہ شکیل اور نجمہ ساتھ جاتے نجمہ پہلے ہی ساجدہ کے ساتھ روانہ ہو گئی۔ شکیل نے پروگرام یہ رکھا کہ تھوڑی دیر کچہری کا کام کر کے براہ راست باغ پہنچ جائیں گے۔ شادیوں کے بعد نوبت یہاں تک تو پہنچ ہی چکی تھی کہ پردہ اٹھا دیا گیا تھا۔ ساجدہ کو سعید نے تمام دوستوں کے سامنے کر دیا تھا۔ ریحانہ کے سلسلہ میں اشتیاق نے بھی یہی کیا تھا۔ نرگس کو اختر شکیل کے سامنے پہلے ہی لاتے تھے اب سعید کے ساتھ رشتہ ہی بے پردگی کا قائم ہو چکا تھا اور اشتیاق تو بھائی ٹھہرے۔ صرف بیچاری نجمہ ابھی تک کھٹائی میں پڑی ہوئی تھی۔ اس کو پردہ اٹھانے کی اجازت دینے والا کوئی نہ تھا۔ لہٰذا طے یہ ہوا کہ پکنک پر پہنچ کر نجمہ برقعے میں رہے گی ہر چند کہ نجمہ نے اس طرح پکنک پر جانا مناسب نہ سمجھا اور نا کو لا کو ساجدہ

سے اجازت چاہی۔ مگر خود نجمہ کی والدہ نے کہا کہ بیٹی یہاں سے تم برقعے میں چلی جاؤ۔ وہاں اگر شکیل خود چاہیں گے تو برقعہ اٹھوا دیں گے میں خود ان لوگوں سے تم کو پردہ کرانا نہیں چاہتی جو اپنے بن چکے ہیں، اب ہمارے عزیز ہیں، اور دکھ درد کے شریک ہیں، تو ان سے پردہ کیسا تمہارے ابا نے زبردستی مجھ کو سعید و اختر الاشتیاق کے سامنے کیا ہے۔"

ساجدہ اور نجمہ کو بڑی بی کی اس روشن خیالی پر واقعی تعجب تھا چنانچہ راستے ہی میں ساجدہ نے نجمہ سے کہا۔

"اب تو سچ مچ میں اس کی قائل ہوتی جاتی ہوں کہ شکیل بھائی نے خالہ جان پر ضرور جادو کیا ہے۔ کون کہہ سکتا ہے کہ یہ وہی خالہ جان ہیں جو اب سے کچھ دن پہلے تھیں۔"

نجمہ نے کہا "اب تو حال یہ ہے کہ جس بھتیجے کی صورت سے نفرت تھی اس کے لئے پروانہ بنی رہتی ہیں اور ایمان کی بات یہ ہے کہ وہ بھی ایسا خیال رکھتے ہیں کہ کیا کوئی ماں کا خیال رکھے گا۔ کچہری سے آکر جس وقت چچی کی گود میں ڈپٹی کلکٹر صاحب چھوٹے بن کر لیٹ جاتے ہیں کہ چچی جان تھک گیا ہوں تھپک تھپک کر سلا دیجئے، وہ وقت ہوتا ہے دیکھنے والا منظر، کبھی کبھی تو مارے خوشی کے آنسو نکل آتے ہیں، اماں جان کے۔"

ساجدہ نے کہا "وہ تو وہ میرے آنسو تو یہ سنکر نکل آئے۔"

جس وقت ان سب کی موٹریں باغ میں پہنچی ہیں۔ درختوں کے ایک کنج میں چاروں طرف کرسیاں بچھی ہوئی تھیں اور اس کنج سے ذرا ہٹ کر درختوں کی آڑ میں نجمہ کے لئے بھی انتظام تھا۔ اس لئے کہ وہ بیچاری ابھی اس برادری سے باہر تھی۔ ان سب کے پہنچنے کے تھوڑی ہی دیر کے بعد شکیل بھی اچھلتے کودتے موجود ہوگئے۔

اختر نے ان کو دیکھتے ہی کہا۔ "مقدمات کی پیشیاں بڑھانے کے علاوہ اور تو شاید کوئی کام نہ کیا ہوگا۔"

شکیل نے کہا۔ "ساجدہ پکڑ لانا ان کو یہ کیا واہیات ہے کہ یہاں بھی پردہ ہے۔"

ساجدہ نے کہا۔ "کیا خوب یہ بھی گویا آپ کی کچہری ہے اور میں گویا جناب کی پیشکار ہوں کہ حکم دے دیا پکڑ لاؤ۔"

اختر نے کہا۔ "مگر واقعی یہ تو بہت برا معلوم ہوتا ہے کہ وہ بیچاری ہم سب سے الگ تھلگ ایک کونہ میں بیٹھی ہیں۔"

اشتیاق نے کہا۔ "اور پردہ بھی وہ کہ چلمن تک غائب۔ یہ بھی نہ صاف چھپنے کی امید، نہ سامنے آنے کا اندیشہ۔ شکیل کیا تم کو اتنا حق بھی نہیں ہے کہ تم اپنے ذاتی اختیارات سے کام لے کر اس رسمی پردے کو اٹھوا دو۔"

شکیل نے کہا۔ "حق تو خیر مجھ کو بالکل نہیں۔ ہے آپ سب کی طرح گذارش میں بھی کر سکتا ہوں۔"

ساجدہ نے کہا "تو پھر رہنے دیجئے اس کو، اس قدر بیگانہ بنکر دیکھنا یہ ہے کہ کب تک آپ رہتے ہیں۔"

شکیل نے کہا۔ "بیگانگی کا سوال نہیں ہے جبکہ واقعی مجھ کو کیا حق ہے۔"

ریحانہ نے کہا "ہندوستان کا پیدائشی حق تھا آزادی جو موت کے وقت اس کو یاد آیا ہے۔"

اختر نے نعرہ بلند کیا۔ "انقلاب زندہ باد! بولو شریمتی ریحانہ دیوی کی جے۔"

سعید نے کہا۔ "بھائی سنو، ہم میں سے کسی سے پردہ کرنے کا ان کو کوئی حق نہیں ہے۔ اختر کی وہ بہن، میری ہمشیرہ نسبتی۔"

اشتیاق نے کہا۔ "اور میری بیوی کی بہن ہیں۔ ہمشیرہ نسبتی کہنا ذرا مناسب نہیں سمجھتا۔"

سعید نے کہا۔ "اب رہ گئے شکیل، ان سے البتہ سوائے اس رشتہ کے جو والدین کی طرف سے ہوا ہوگا۔ ان کا براہ راست کوئی رشتہ نہیں ہے لہذا یہ صرف شکیل سے پردہ کرسکتی ہیں۔ یہ میرا فتویٰ ہے۔"

شکیل نے کہا۔ "حضرت مولانا کے اس فتویٰ کے بعد میں اعتقادی طور پر اس کے لئے تیار ہوں کہ اگر یہ سب کے سامنے آنے کو تیار ہو جائیں تو میں اس گوشہ میں بیٹھنے کو تیار ہوں۔

جس میں وہ موجود ہیں۔"

ساجدہ نے کہا۔" آخر آپ خود اعتمادی سے کام لے کر نجمہ کا پردہ خود کیوں نہیں اٹھا دیتے۔"

شکیل نے کہا۔" اور جو نجمہ نے پوچھا کہ جناب کون؟"

ساجدہ نے کہا۔" تو جواب ہم دیں گے کہ آپ کے ہونے والے سب کچھ۔"

شکیل نے کہا۔" بہتر ہے میں عرض کرتا ہوں۔"

ریحانہ نے کہا۔" عرض نہ کیجئے، فرمائیے۔"

شکیل ٹہلتے ہوئے نجمہ کی طرف گئے۔ تھوڑی دیر تک، نہ جانے کیا کیا باتیں کیں اور اس کے بعد نجمہ کا ہاتھ پکڑے ہوئے سب کے سامنے لے آئے۔

اختر نے پیار سے کہا۔" آؤ بھئی آؤ۔"

سعیدہ نے کہا۔" اے آمدنت باعث آبادی۔"

اشتیاق اور ریحانہ ایک مینڈو کو بھگانے میں مصروف تھے۔ اشتیاق نے ایک ڈھیلا مارتے ہوئے کہا۔" نا محرم کہیں کا۔ جانتا نہیں کہ ایک پردہ نشین برافگندہ نقاب آرہا ہے۔"

نجمہ نے کہا۔" اچھا اب بناؤ کو تو رہنے دیجئے۔ بڑی شاعری آگئی ہے۔ تو بندر کی بجائے اپنا مخاطب ریحانہ کو بنایئے۔"

شکیل نے کہا۔" اچھا حضرات اب ذرا چائے کا دور چل جائے تاکہ

ہم سب ایک دوسرے کا جام صحت تجویز کرسکیں۔"

ساجدہ نے دور سے کہا۔"شکیل بھائی میں پہلے ہی سے سمجھ چکی تھی کہ آپ کو چائے یاد آنے والی ہے۔ ابھی لائی چائے۔"

اشتیاق نے کہا۔"اچھا صاحب ایک بات ہے کہ میری بیوی اس مقابلۂ حسن میں گویا سب سے بازی لے گئیں۔"

ریحانہ نے شرما کر کہا۔"اب بنانا شروع کیا ہے آپ نے یا کوئی غرض اٹکی ہوگی، پان وغیرہ کی۔"

اشتیاق نے کہا۔"آپ سخن فہم معلوم ہوتی ہیں، غالب کی طرفدار ہرگز نہیں ہیں۔ پان کی ضرورت تو خیر ہے ہی مگر جو عرض کیا ہے وہ بھی واقعہ ہے۔"

سعید نے کہا۔"اور میری بیوی خدا کی قسم اگر نصیب سے کام نہ لو اور جانب داری نہ کرو تو میری بیوی بھی اس قحط الرجال میں غنیمت ثابت ہوگی۔"

اختر نے کہا۔"اس اعتبار سے تو میری بیوی بھی موجودہ اقتصادی مشکلات، سیاسی مدوجزر اور معاشرتی انتشار کو دیکھتے ہوئے باعث صد افتخار ہے میرے لئے۔"

شکیل اور نجمہ کو سرگوشی میں مصروف دیکھ کر اختر نے پکار کر کہا۔

"یہ کیا ہو رہا ہے؟"

شکیل نے کہا ۔" میں یہ پوچھ رہا ہوں کہ میں کیا کہوں؟"
سب کھلکھلا کر ہنس دیئے ۔"
ساجدہ نے چائے کے برتن پھیلا دیئے ۔ اور سب ہنس کھیل کر چائے اور ناشتہ کی طرف متوجہ ہو گئے ۔

مولوی رجب علی صاحب نے پھر ایک مرتبہ حج بیت اللہ شریف کے ارادہ کا اظہار فرمایا۔ مگر اس مرتبہ بیگم صاحبہ کی طرف سے کوئی مخالفت نہ ہوئی بلکہ ان کی طرف سے بھی ایک تمنا تھی کہ مجھ کو بھی اس سعادت میں پیچھے نہ رہنے دیجئے۔ مولوی صاحب کو بھلا کیا انکار ہو سکتا تھا۔ وہ تو خود چاہتے تھے کہ ان کی شریک زندگی اس مبارک سفر میں بھی ان کی شریک رہیں۔ حضرت صاحب قبلہ کا ارادہ بھی اس سال حج کا ہو رہا ہے۔ جب حضرت صاحب قبلہ سے اجازت حاصل کرنے گئے۔ لہٰذا طے یہ ہوا کہ اس سال اس فرض کو ادا کر ہی دیا جائے۔ تمام انتظامات شروع ہو گئے۔ سامان دو طرح کے تھے ایک تو نجمہ اور شکیل کی شادی کے انتظامات دوسرے اس کے فوراً ہی بعد حج کے انتظامات نجمہ اور شکیل کی شادی کے انتظامات میں

کوئی دقت نہ تھی۔ ایک ہی لڑکی تھی سب ہی کچھ اس کا تھا۔ دوسرے بیگم صاحبہ نے بچہ کے بچپن ہی سے اس کا جہیز جوڑنا شروع کردیا تھا۔ حد یہ ہے کہ پرجا کے جوڑے تک نہ جانے کب سے تیار رکھے ہوئے تھے۔ حضرت صاحب قبلہ کی طرف سے نہایت سختی کے ساتھ ہدایت تھی کہ شادی نہایت سادگی کے ساتھ ہوگی اور دھوم دھام کے بجائے اس تقریب کے موقع پر خیر خیرات کا زیادہ خیال رکھا جائے گا۔ لہٰذا اس تقریب میں اور بھی آسانیاں پیدا ہوگئی تھیں۔ البتہ صرف ایک رکاوٹ تھی کہ بو میاں کا مقدمہ اب تک چل رہا تھا اور اس میں کچھ ایسی پیچیدگیاں پیدا ہوگئی تھیں کہ کچھ نہیں کہا جا سکتا تھا کہ کب تک یہ مقدمہ طول کھینچے گا۔ ہرچند کہ مولوی صاحب کے علاوہ بیگم صاحبہ بھی غیر متعلق بنی ہوئی تھیں۔ مگر پھر بھی اپنے عزیز کا معاملہ تھا۔ آخر ایک دن شکیل نے خوشی سے بدحواس کچہری سے واپس آکر مژدہ سنایا کہ بو میاں باعزت طریقہ پر بری کر دیئے گئے۔ امید ہے کہ اب وہ اپنے کو ان پستیوں میں نہ گرائیں گے۔"

مولوی صاحب نے کہا "انشاء اللہ۔"

بیگم صاحبہ نے کہا "چلو، ہٹو، وہ بھلا ماننے والا ہے۔ جو بگڑ چکا ہے وہ مشکل ہی سے سنبھل سکتا ہے مجھے تو امید نہیں۔"

شکیل نے کہا "نہیں چچی جان یہ بہت بڑی ٹھوکر کھائی ہے

اور اگر واقعی اب بھی نہ سنبھلے تو خدا ہی حافظ ہے۔"

مولوی صاحب نے کہا: "اب سنبھلیں یا نہ سنبھلیں وہاں رہا ہی کیا ہے تمام نقد روپیہ غارت ہوچکا، تمام جائداد پر پانی پھر گیا۔ جس کوٹھی میں آجکل رہتے ہیں بس وہ ڈگی ہے۔"

شکیل نے کہا "جی نہیں اس پر بھی قرض کا بار ہے۔"

بیگم صاحبہ نے کہا "اونہہ، ہماری بلا سے، جیسا کریں گے۔ ویسا بھریں گے۔ مگر بھیا میں تم سے کہتی ہوں کان کھول کر سن لو کہ ہم لوگ تو ہوں گے حج میں۔"

مولوی صاحب نے کہا "انشاءاللہ۔"

بیگم صاحبہ نے فرمایا "توبہ ہے بات بھی تو بھلادی۔ میں سمجھ رہی تھی کہ کچھ کہہ رہے ہو، نہ جانے کیا کہہ رہی تھی میں۔"

مولوی صاحب نے فرمایا "تم نے یہ کہا تھا کہ ہم لوگ تو ہوں گے حج میں انشاءاللہ۔"

بیگم صاحبہ نے کہا "ہاں اور تم ہوں گے یہاں اکیلے اس وقت ذرا ان صاحب زادے کے ہتھکنڈوں سے ہوشیار رہنا۔ چسکا پڑ چکا ہے ان کو بری باتوں کا۔ روپیہ اب پاس نہ ہوگا۔ ممکن ہے کہ مونڈنے کی کوشش کریں۔"

ملازمہ نے باہر سے لاکر ایک لفافہ مولوی صاحب کے ہاتھ میں دیا۔ مولوی صاحب نے چشمہ کی تلاش میں ناکام رہ کر شکیل کو لفافہ

دیا کہ ذرا پڑھو تو کس کا ہے۔ شکیل نے پڑھنا شروع کیا۔

"محترم و معظم"

جناب خالو صاحب قبلہ دام ظلکم

بعد آداب کے گذارش ہے کہ مقدمہ کے فیصلہ کے متعلق آپ کو اطلاع ہو گی کہ مجسٹریٹ نے میری گرفتاری کے سلسلہ میں کس قدر عاجزی کے ساتھ پولیس اور حکومت کی غلطی کو تسلیم کر کے میرے چال چلن کی بلندی کا اقرار کرتے ہوئے مجھے باعزت طریقہ پر رہا کیا ہے۔ مجھ پر الزامات لگائے گئے تھے وہ از سرتا پا غلط اور بے بنیاد ثابت ہوئے بہر صورت خدا کے فضل سے خاندان کی عزت و آبرو پر کوئی حرف نہ آسکا۔ بلکہ اس بہانہ سے ایک عدالت نے ہمارے خاندان کی عزت کو گویا دستاویزی ثبوت فراہم کر دیا۔ اس میں شک نہیں اس ٹھوکر نے مجھ کو سنبھال دیا ہے اور میری ایک آخری خواہش یہ ہے کہ میں ہر طرف سے کنارہ کش ہو کر اپنی زندگی نہایت پاکبازی اور شرافت کے ساتھ بسر کروں۔ میرے اس ارادے کو میں آپ کی آغوش شفقت میں پناہ ڈھونڈ رہا ہوں۔ میں نے سنا ہے کہ آپ نے حج بیت اللہ کا مصمم ارادہ کر لیا ہے اور اس سے قبل آپ نجمہ کی شادی کے فرض سے سبکدوش ہونا چاہتے ہیں۔ اس سلسلہ میں صرف

اس قدر میں بھی عرض کروں گا کہ یہ میرا حق ہے مجھ کو اپنی غلامی میں قبول کرنے کا ارادہ جناب پہلے بھی رکھتے تھے اور ......"

مولوی صاحب نے غصہ سے کہا "بکواس غلط افترا کذب العین۔ انشاء اللہ یہ نہ ہوا ہے نہ ہوگا۔"

بیگم صاحبہ نے کہا۔"تو یہ ہے سننے تو دو، لکھا کیا گیا ہے اس میں شکیل نے پڑھنا شروع کیا۔

"مجھ کو اپنی غلامی میں قبول کر لیجئے گا۔ پہلے جو مسلۂ آپ کو درپیش تھا تو صرف اس قدر کہ میری عادت و اطوار کیطرف سے آپ مطمئن نہ تھے۔ مگر اب جبکہ میں خود یہ طے کر چکا ہوں کہ زندگی کے باقی دن ہر غلط راستے سے کترانے میں گزار دوں گا۔ غالباً جناب کو بھی کوئی عذر نہ ہوگا۔ محترمہ خالہ جان صاحب کی تو دلی تمنا ہے کہ وہ اپنی مرحومہ بہن کی روح کو خوش کر سکیں۔"

بیگم صاحبہ نے کہا "ہاں اور کیا آگ لگے تیری صورت کو اور دیکھ رے تیری خالہ جان پر۔"

مولوی صاحب نے فرمایا۔"انشاء اللہ، وہ جواب دوں گا اس کی طبیعت صاف ہو جائے۔ اس مردود ازلی کو، اس نے سمجھا ہے اپنے آپ کو، ننگ خاندان، شہدہ، بدمعاش۔"

شکیل نے باقی سطریں پڑھ ڈالیں۔

"روح کو خوش کر سکیں اور ان سے جو وعدہ کیا تھا اسے پورا۔

امید ہے۔ کہ آپ اس سلسلہ میں جلد فیصلہ کر کے تاریخ کا

تعین فرمادیں گے۔"

آپکا کفش بردار۔ سردار حسین عرف بومیاں ساکن جھوائی ٹولہ۔

مولوی صاحب نے قرأت سے کہا "بدمعاش، لاؤ تو ذرا قلم

دوات وغیرہ۔" شکیل نے کہا "چچا جان ابھی آپ کچھ نہ لکھئے

اطمینان سے غور فرماکر جواب دیجئے گا۔"

مولوی صاحب نے غصہ سے کانپ کر کہا "انشاءاللہ غور کئے

بغیر وہ جواب لکھوں گا کہ چھٹی کا دودھ یاد آجائے" صاحبزادے کو جواب

صرف یہ ہے کہ پچاس جوتے۔"

بیگم صاحبہ نے کہا "اے ہٹو، جوتا بھی ناپاک ہوگا۔ اس خط کو

پھاڑ کر واپس کر دو، سب سے اچھا جواب یہی ہے۔"

شکیل نے کہا "میرا کہنا مانئے۔ کہ کچھ نہ لکھئے بلکہ اب میں کیا کہوں

مولوی صاحب نے فرمایا "انشاءاللہ وہی ہو گا جو تم کہو گے۔ فو

کہو فی الفور کہو۔"

بیگم صاحبہ نے شکیل کا سر سہلاتے ہوئے کہا "ہاں ہاں کہو نا"

شکیل نے کہا "جواب صرف یہ ہے کہ شادی کے کارڈ تو چھپ کر

آہی گئے ہیں۔ ان میں سے ایک انھیں بھیج دیا جائے۔"

مولوی صاحب نے فرمایا ۔" ہاں، مگر نہیں، انشاءاللہ، اس قدر شریفانہ جواب نہ دیا جائے گا اس کمینہ کو اور نہ اپنی محفل میں اس کو میں بلانا چاہتا ہوں ۔"

بیگم نے کہا " ہاں بلانے کی تو میری بھی رائے نہیں ہے چھوٹے لاڈوں سے تاتہ ہی کیا ۔ بس یہ جواب لکھدو کہ خبردار جو آئندہ سے ہم کو خط لکھا ۔"

مولوی صاحب نے عینک ڈھونڈلی اور کڑک کر کہا ۔" انشاءاللہ تم ٹھیرو تو، وہ جواب دیتا ہوں کہ تم بھی پھڑک جاؤ اور عزیز من تم بھی ۔"

مولوی صاحب جواب لکھنے لگے اور شکیل کپڑے بدلنے اپنے کمرے میں چلا آیا ۔

بنو نے مایوس ہو جانے کے بعد کھسیانی بلی کی طرح کھمبا نوچنے کا
شغل شروع کرتے ہوئے طے کیا کہ اب کچھ کیچڑ نجمہ پر اچھالی جائے۔ اور
اگر مولوی صاحب اور ان کی بیگم صاحبہ تیار نہیں ہوتیں تو شکیل ہی کو
بدظن کیا جائے۔ یہ تو طے تھا کہ نجمہ کی شادی اب اس کے ساتھ نہیں
ہو سکتی تھی مگر یہ کوشش تو کر ہی سکتا تھا کہ شکیل کے ساتھ بھی
شادی نہ ہونے دے۔ چنانچہ اس نے سب سے پہلے اختر سے مل کر
کہا۔ کہ اپنے تمام احباب کو جمع کریں اور شکیل صاحب کو بھی بلا لیں
میں ان کے احسان کا بدلہ چکانا چاہتا ہوں، جو میرے مقدمہ کے
سلسلے میں کسی قسم کا کوئی بدلہ نہیں چاہتا مگر جب وہ بہت ہی مصر
ہوا تو اختر نے سب کو چائے پر بلا لیا۔ اور عین اس وقت جب کہ
سب چائے کی میز پر پہنچ کر دلچسپ گفتگو میں مصروف تھے بنو میاں

نے اس ذکر کو چھیڑا۔

"اختر بھائی چاہتا ہوں کہ آج اپنی پوزیشن صاف کروں اور چونکہ شکیل بھائی نے میرے ساتھ وہ احسان کیا ہے جو میرا حقیقی بھائی بھی نہ کر سکتا تھا لہذا میں ان سے کوئی بات چھپا نہیں سکتا۔"

شکیل نے سادگی سے کہا۔ "آپ بھی کیا باتیں کرتے ہیں، ببو بھائی اپنوں پر کون احسان کرتا ہے۔ میں نے جو کچھ کیا وہ میرا فرض تھا۔"

ببو نے کہا۔ "اور یہ میرا فرض ہے کہ میں آپ کو تاریکی میں نہ رکھوں آپ کے سر کی قسم یہ راز میں کسی کو مرتے مرتے نہ بتاتا مگر آپ کی شرافت نے مجھ کو خرید لیا ہے۔ لہذا میں آپ کو ایک دھوکہ میں رکھنا نہیں چاہتا۔ قصہ دراصل یہ ہے کہ نجمہ کی شادی کرنے کے لئے جو اصرار میری طرف سے اب تک ہوا، اس کی وجہ صرف یہ ہے میں نجمہ سے وعدہ کر چکا تھا اور وہ مجھ سے وعدہ لے چکی ہے کہ اپنی زندگی میں اس کو کسی اور کا نہ ہونے دوں گا۔"

شکیل نے مشتعل ہو کر کہا۔ "خاموش رہو، غالباً تم میری شرافت سے ناجائز فائدہ اٹھا کر اب اس مقدس اور معصوم خاتون کی عزت پر بھی گندگی اچھالنا چاہتے ہو۔"

ببو نے ہاتھ جوڑ کر کہا۔ "خدا کے واسطے میرا پورا بیان سن لو شکیل بھائی۔"

سعید نے کہا۔ "کیسے سن لیں تمہارا بیان، یہ تو اسی حد تک کہ

رہتے ہیں کہ اگر ان کی جگہ میں ہوتا تو گدی سے زبان کھینچ لیتا تمہاری۔
بو میاں نے اس پر بھی سکون سے کہا ۔" میں ان تمام باتوں کو سننے کے لئے تیار ہو کر آیا ہوں ۔ مگر جب آپ پوری بات سن لیں گے تو میری نیک نیتی کا اندازہ ہوگا۔"

اختر نے کہا ۔" اچھا آپ فرمایئے، جو کچھ آپ کو فرمانا ہے۔"

بو نے کہا ۔" قصہ دراصل یہ ہے کہ خالہ جان کے دل میں ہمیشہ سے یہ خواہش تھی کہ نجمہ کی شادی مجھ سے کریں گے اور اس خواہش سے نجمہ بھی باخبر تھی ۔ لڑکی اپنے تخیل میں جس کو اپنا شوہر بنا لیتی ہے اس کی پرستش بھی شروع کر دیتی ہے ۔ چنانچہ جب نجمہ کو اس کا یقین ہو گیا کہ اس کی شادی میرے ہی ساتھ ہوگی تو اس نے مجھ کو بیگانگت کی نظروں سے دیکھنا شروع کر دیا ۔ خالہ جان نے دانستہ ہم دونوں کو تبادلۂ خیالات کے موقع دیئے، اور آخر ایک دن ہم دونوں میں یہ عہد و پیمان ہو گیا کہ ہم ایک دوسرے کے ہو کر رہیں گے ۔ مگر میں کم بخت آوارگی میں مبتلا ہو کر اس مقدس عہد کو یاد نہ رکھ سکا ۔ چنانچہ جب پہلی مرتبہ نجمہ کو اطلاع ہوئی کہ میں حسو کے یہاں جانے لگا ہوں تو اس نے مجھ کو ایک پرچہ لکھا جس پر صرف یہ لکھا ہوا تھا ۔ شعر

او بھو لنے والے تھی پیمان وفا تھا

شکیل نے کانپتے ہوئے کہا ۔" نجمہ نے لکھا تم کو۔"

بو میاں نے کہا۔" غصہ نہ کرو، شکیل بھائی میں تمہارے ہی فائدے کے لئے کہہ رہا ہوں۔ یہ دیکھو وہ میرے پاس پرچہ اب تک موجود ہے یہ کہہ کر اس نے ایک پرچہ شکیل کی طرف بڑھا دیا۔ جس پر صرف یہ مصرعہ لکھا ہوا تھا۔ اور واقعی نجمہ کے ہاتھ کا لکھا ہوا تھا اب تو شکیل کے پاؤں تلے کی زمین نکل گئی۔"

بو میاں نے کہا۔" مگر جب اس پرچہ کے بعد بھی میری آنکھیں نہ کھلیں تو اس نے پھر ایک دن کاغذ کی ایک گولی میری طرف اچھالی جس پر لکھا تھا۔

دل ایسی چیز کو ٹھکرا دیا نخوت پرستوں نے
بہت مجبور ہو کر ہم نے آئینِ وفا بدلا
یہ دیکھئے وہ پرچہ یہ ہے۔"

شکیل نے یہ پرچہ لے کر دیکھا۔ یہ بھی نجمہ کی تحریر تھی اس کی آنکھوں کے سامنے اندھیرا تھا اور اب وہ لاجواب تھا۔

اختر نے بھی دونوں پرچے دیکھے اور شکیل کی طرف معنی خیز نظروں سے دیکھ کر کہا۔" صاحب اگر یہ پرچے درست بھی ہوں۔ اگر یہ تحریر واقعی ان ہی حالات کے ماتحت نجمہ نے لکھی ہو تو بھی میں قسم کھانے کو تیار ہوں کہ نجمہ کو آپ سے کوئی وابستگی نہ تھی اور نہ ہو سکتی ہے۔"

سعید نے کہا۔" آپ یہ پرچے دکھا رہے ہیں اور ہم جناب کا حلیہ دیکھ رہے ہیں۔ تاوقتیکہ نجمہ کا دماغ خراب نہ ہوا ہو، اور اس پر مادف

الدماغی کا دورہ نہ پڑا ہو وہ ہرگز آپ کی طرف متوجہ نہیں ہو سکتی۔"

اشتیاق نے کہا۔"بو صاحب کیا آپ یہ بتا سکتے ہیں کہ آپ نے ان پرچوں کے جواب کیا دیئے تھے۔"

بو۔" یاد نہیں۔"

اشتیاق نے کہا۔" صاف بات یہ ہے کہ آپ نجمہ کی جو توہین اس وقت کر رہے ہیں۔ یہ معاملہ اب اسی حد تک نہ رہے گا۔ اس کی پوری تحقیقات کی جائے گی۔ اور یہ بھی سن لیجئے کہ آپ کی ان باتوں سے متاثر ہو کر شکیل اور نجمہ کی شادی بھی ملتوی نہ ہو گی۔ مگر چونکہ آپ نے یہ پرچے پیش کر کے کچھ کانٹے ضرور بو دیئے ہیں۔ لہٰذا بار ثبوت آپ ہی کے ذمے ہے کہ یہ پرچے نجمہ نے آپ ہی کو لکھے تھے۔ ممکن ہے کہ یہ پرچے اس نے شکیل کو لکھے ہوں اور آپ کے ہاتھ لگ گئے ہوں۔"

بو نے کہا۔" نہیں صاحب بخدا یعنی آپ پر حیرت ہے کہ یقین کیوں نہیں کرتے۔ میرا مطلب یہ ہرگز نہیں ہے کہ میں شادی میں کوئی رکاوٹ پیدا کروں یا خدانخواستہ نجمہ پر کوئی الزام لگاؤں۔ بلکہ امر واقعہ جو ہے وہ میں نے اس لئے بیان کر دیا کہ میں شکیل کا دراصل حریف نہیں بلکہ واقعات نے مجھ کو مجبور کر دیا تھا۔"

سعید نے کہا۔" کیا نجمہ کو آپ سے عشق تھا؟"

بو نے کہا۔" یہ تو میں نہیں جانتا مگر ان پرچوں سے آپ کو

کیا معلوم ہوتا ہے ؟"

سعید نے سنبھل کر بیٹھتے ہوئے کہا۔ "دیکھو جی، میں ٹھہرا فوجی آدمی۔ ان لوگوں کی طرح مہذب نہیں ہوں کہ چپ ہو رہوں۔ اب تم کو بتانا پڑے گا کہ ان پرچوں کی اصلیت کیا ہے اور تمہارا ان پرچوں کے پیش کرنے سے کیا مقصد ہے۔ بتاؤ یہ پرچے تم کو کہاں سے ملے۔؟"

اشتیاق نے سعید کو سمجھاتے ہوئے کہا۔ "سعید سنو تو سہی یہ"

سعید نے گرج کر کہا۔ "ٹھہریئے صاحب میں اس سے ابھی پوچھتا ہوں صورت سے جرائم پیشہ معلوم ہوتا ہے۔ کوئی عورت اس کے منہ پر تھوکنا بھی پسند نہ کرے گی اور آیا ہے وہاں سے مفروضہ پرچہ لے کر اس غریب فرشتہ صفت لڑکی پر الزام لگانے۔ میں اس سے پوچھ کر رہوں گا ورنہ یہاں سے زندہ واپس نہیں جا سکتا۔"

ببو نے گھراتے ہوئے کہا۔ "یعنی ارے صاحب میں نے تو اپنی صفائی پیش کرنا چاہی تھی۔ اگر اس کا بدلہ یہ ہے تو واپس کر دیجئے یہ پرچے، میں اجازت چاہتا ہوں۔"

شکیل نے کہا۔ "سعید تم ٹھہرو۔ دیکھو ببو میاں، یہ پرچے تو اب واپس نہ ہوں گے اور یہ شادی بھی اب اسی وقت تک رہی ہوگی جب تک کہ ان پرچوں کی اصلیت معلوم نہ ہو جائے۔ مگر آپ کو یہ ثابت کرنا ہوگا کہ یہ پرچے اصلی ہیں اور جو بیان آپ نے پرچوں کے سلسلہ میں

دیا ہے وہ بھی درست ہے۔"

بو نے کہا "گلے گلے پانی میں ہر ثبوت کے لئے تیار ہوں بشرطیکہ آپ لوگ ٹھنڈے دل سے کام لیں۔ میں یہاں مجرم کی حیثیت سے نہیں آیا ہوں۔ میری نیت ٹھیک تھی۔ اگر پھل یہ ہے جو سعید صاحب نے اگل دیا۔ تو میں اپنے ارادے پر پشیمان ہوں۔ ورنہ بہتر صورت تو یہ ہے کہ آپ ان پرچوں کو اپنے پاس رکھئے اور خود نجمہ سے دریافت کیجئے۔ یا جس طرح جی چاہے تحقیقات کیجئے۔ میں تو اس سلسلہ میں نجمہ سے منہ در منہ بات کرنے کے لئے بھی حاضر ہوں۔"

اختر نے کہا "یہ مناسب ہے کہ بجائے ان سے پوچھنے کے تم علیحدہ تحقیقات کیوں نہ کرو۔"

شکیل نے کہا "بہت اچھا اب میں تحقیقات کر لوں اس کے بعد طے کر سکوں گا کہ آپ میرے دوست ہیں یا خود اپنی جان کے بھی دشمن۔ اس میں شک نہیں کہ یہ پرچے ہیں ضرور نجمہ کے لکھے ہوئے مگر سمجھ میں نہیں آتا کیوں لکھے تھے اس نے۔"

سب نے مل کر یہ طے کیا کہ اس وقت اس ذکر کو یہیں ختم کر دیا جائے اور اب نجمہ کو اپنی صفائی پیش کرنے کا موقع دیا جائے۔ اگر واقعی نجمہ نے شکیل کو دھوکہ دیا ہے تو پھر اس شادی کو ملتوی کیا ختم ہی ہونا پڑے گا بو کو رخصت کرنے کے بعد دیر تک اسی پر بحث ہوتی رہی اور شکیل وہاں سے اسی طرح اٹھا گویا اپنا سب کچھ کھو

کر اٹھا ہو"

شکیل کی سمجھ میں کچھ نہ آتا تھا کہ نجمہ سے کہے تو کیوں کر اور تحقیقات کرے تو کس طرح بات جتنی چھوٹی تھی اتنی ہی وہ بلندی اس کے پیش نظر تھی جو نجمہ میں اس کو نظر آرہی تھی۔ بار بار وہ ان پرچوں کو دیکھتا تھا جو بو میاں نے دیئے تھے۔ اور یہ حقیقت اس پر روشن ہو چکی تھی کہ لکھے ہوئے ہیں یہ نجمہ کے ہی ہاتھ سے۔ نجمہ اس کی امیدوں کا مرکز تھی اور جب مرکز ہی اپنی جگہ سے ہٹا ہوا نظر آرہا تھا تو وہ کس سہارے پر اپنے ہوش وحواس کو قائم رکھ سکتا تھا نتیجہ یہ کہ وہ خود ہی سوچتا اور گھلتا رہا۔ آخر بیمار پڑ گیا۔ ابھی خاصا کچہری سے اطلاع آئی کہ ڈپٹی صاحب کو قلب کا دورہ پڑا ہے جس گھر میں شادی کی تیاریاں ہو رہی تھیں وہاں کھلبلی مچ گئی۔ سب تو سب نجمہ کی بدحواسی کا عالم کچھ نہ پوچھیے! تمام شرم وحیا کو بالائے طاق رکھ کر اس نے خود بھی کچہری پہنچنے کی کوشش کی۔ مگر مولوی رجب علی صاحب نے اس کو یہ مشکل تمام روکا ہے۔ اور سیدھے کچہری پہنچے۔ جہاں دورہ تو ختم ہو چکا تھا۔ مگر مریض کی حالت اطمینان کے قابل نہ تھی۔ ڈاکٹر نے اپنے ساتھ ہی کلارک ان کو گھر پہنچایا۔ اور سب کو ہدایت کر دی کہ ان کو فوری آرام اور نہایت بشاش فضاؤں کی ضرورت ہے۔ کسی وقتی صدمہ نے انھیں متاثر کیا ہے اور قلب کی حالت اطمینان بخش نہیں ہے"

شکیل کو باغ کی طرف نہایت ہوادار کمرے میں پہنچا دیا گیا - اور باوجود احتیاط کے دیکھنے والوں کا برابر تانتا بندھا رہا - حکام شہر سے لے کر کچہری کے لوگ سب ہی تو مکان گھیرے ہوئے تھے - ڈپٹی کمشنر صاحب خود بڑی دیر تک شکیل کے پاس بیٹھے رہے اور ادھر ادھر کی باتوں سے دل بہلاتے رہے - نجمہ نے البتہ ان کے پاس جانے کے بجائے نمازیں پڑھ پڑھ کر دعائیں مانگنا شروع کر دیں - ادھر ماں سر بسجدہ تھیں اور مولوی رجب علی صاحب تو بات بات پر ہر ایک سے یہی کہتے تھے -

"انشاءاللہ جو ہوگا بہتر ہی ہوگا - انشاءاللہ صحت کلی اور شفائے کامل حاصل ہوگی -"

حضرت صاحب قبلہ کو جب اطلاع ملی تو خود تشریف لائے اور دیر تک نہ جانے کتنی دعائیں پڑھ پڑھ کر دم کیں اور جانے کے وقت فرما گئے کہ بڑے میاں اگر ان کے پاس جانے کی کوشش کریں تو انکو اجازت نہ دی جائے -"

مولوی صاحب نے فرمایا - "انشاءاللہ وہ اس گھر میں قدم ہی نہیں رکھے گا - اور اگر آیا تو انشاءاللہ حضور کے حکم کی تعمیل کی جائے گی

اختر: سعید اور اشتیاق کو معلوم تھا کہ شکیل کی بیماری کیا ہے - مگر موقع اس کا نہ تھا کہ وہ کسی سے کہتے یا اس قصہ کو پھر شروع کرتے بات یہ تھی کہ دس روز کے بعد سے شکیل ان میں سے کسی کو نہ ملا - ایک تو

طبیعت کچھ اچاٹ سی تھی۔ دوسرے شرم کے مارے اس کا دل نہ چاہتا تھا کہ کسی کا سامنا کرے۔ اختر نے ارادہ بھی کیا کہ ڈاکٹر کو ضرور بتا دیا جائے کہ مرض کی وجہ کیا ہے مگر سعید نے منع کیا۔

"کیا فائدہ ہوگا ڈاکٹر سے کہنے میں۔ ڈاکٹر اس نتیجہ پر تو پہنچ نہیں سکتا ہے کہ کسی فوری صدمہ کا یہ اثر ہے۔ اب اگر تم نے بات ڈاکٹر کو بتا دی اور ڈاکٹر نے گھر والوں سے یہ بات کہدی تو اس کا نتیجہ صرف یہ ہوگا کہ خود شکیل کو اطلاع ہو جائے گی اور ممکن ہے کہ اس سے اور بھی اس کو صدمہ ہو۔

اشتیاق نے کہا۔" میرے نزدیک بھی کہنا مناسب نہیں ہے میرا بھی خیال یہ ہے کہ حالت رو بہ اصلاح تو ہے ہی۔ چند دن میں اس صدمہ کا اثر بالکل جاتا رہے گا۔"

اختر نے کہا۔" صدمہ کا اثر جا کیسے سکتا ہے۔ ڈاکٹر کو کیا معلوم کہ کیا صدمہ ہے۔ میرے خیال میں تو ڈاکٹر کو بتا دینا ہی مناسب ہے۔"

اشتیاق نے کہا۔" میں ابھی اس رائے سے متفق نہیں ہوں میرا خیال ہے کہ حالت کچھ اور سنبھل جانے دو۔ ممکن ہے کہ موجودہ حالت میں افشائے راز کا جھٹکا ان کے لئے اور بھی مضر ہو۔"

آخر کار سب نے مل کر طے کر لیا کہ ڈاکٹر سے تو کچھ نہ کہا جائے لیکن شکیل کے پاس بیٹھ کر اس بات پر زور دیا جائے کہ بیوہ میاں

نے خود یہ جال پھیلایا ہے اور یہ الزام یقیناً غلط ہے۔ شکیل پر اب بظاہر مرض کا کوئی اثر نہ تھا وہ باتیں بھی کرتا تھا۔ ہنستا بھی تھا۔ سوتا بھی تھا۔ مگر تھوڑی دیر کے بعد کچھ کھو سا جاتا تھا۔ نجمہ تو اپنا کام کر رہی تھی۔ دوسری بات یہ تھی کہ شادی قریب ہو جانے کی وجہ سے دور اور قریب کے سب رشتہ دار تو آ چکے تھے اور اس کے لئے یہ ممکن نہ تھا کہ سب کی آنکھوں میں دھول جھونک کر وہ شکیل کے پاس برابر جاتی رہتی۔ رسم و رواج کے مطابق اب اس کو شکیل سے پردہ کرا دیا گیا تھا۔ پھر بھی وہ اس عرصہ میں دو تین مرتبہ شکیل کے پاس ہو ہی آئی یہ اور بات ہے کہ شکیل نے اس سے اس شگفتگی کے ساتھ بات نہ کی جو شکیل کا مزاج تھی مگر افسردگی کو نجمہ نے علالت کے باعث سمجھ کر کوئی خاص توجہ نہ کی اور وہ بدستور اپنی دعاؤں میں مصروف رہی۔ ساجدہ نرگس اور ریحانہ کو بھی خبر نہ تھی کہ واقعہ کیا ہے۔ یہ تینوں تقریباً روز آتی تھیں اور دیکھ کر چلی جاتی تھیں۔ دو روز تک یہی کیفیت رہی۔ آخر تیسرے روز شکیل نے اختر سے کہا۔

"اختر بھائی میں بڑا پریشان ہوں۔"

اختر نے بات کاٹ دی "آپ بڑے پریشان نہیں۔ بڑے گدھے ہیں۔ ہم لوگوں نے جس قدر اس بات کی اپنی اپنی جگہ تحقیقات کی ہے وہ بات اتنی ہی لچر اور لغو ثابت ہو رہی ہے اور آپ نے اپنا یہ

حال بنا رکھا ہے بے وقوف کہیں کے۔"

شکیل نے کہا۔" نہیں پریشان میں یوں ہوا کہ شادی کی تاریخ سر پر آگئی ہے۔ تمام اعزہ ایک ایک کر کے ادھر سے ادھر چلے آرہے ہیں۔ اب مجھے بتاؤ کہ تم کس طرح چچا جان اور چچی جان سے کہوں کہ میں فی الحال شادی نہیں کر سکتا۔"

اشتیاق نے کہا۔" واقعی شکیل تم کو خدا جانے کس نے ڈپٹی کلکٹر بنا دیا ایک نہایت تھرڈ کلاس انسان نے تم کو ایک ہی چکمہ میں اس طرح متاثر کر دیا۔ غور کرنے کی بات ہے کہ نجمہ کا دماغ خراب ہے۔ عقل پر پتھر پڑ گئے ہیں۔ آنکھوں میں کوئی نقص ہے آخر کس بیماری کے ماتحت اس نے بو جیسے گدھے سے پیمان وفا باندھا ہوگا۔ اور آپ کے یا ان کے پاس کیا ثبوت ہے کہ یہ پرچے واقعی نجمہ کے لکھے ہوئے ہیں۔"

شکیل نے کہا۔ ثبوت کی کوئی ضرورت نہیں۔ نجمہ کا خط میں خوب پہچانتا ہوں اور اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ یہ لکھے ہوئے اسی کے ہیں۔"

سعید نے کہا۔" ذرا اس بات پر بھی غور کر لیجئے کہ یہ ایک مصرعہ اور دوسرے پرچے والا شعر کسی اور ضرورت سے بھی لکھا جا سکتا ہے اور فرض کر لو کہ نجمہ نے واقعی اس ضرورت سے لکھا ہو اور واقعی بتو کو دیا ہو تو بھی ایک ہزار ایک سبب ہو سکتے ہیں

مثلاً یہ کہ شریر تو ہیں ہی یہ سب کی سب بیوقوف بنایا ہو شاید ہو
کو۔ ارے بھائی خود میری بیوی نے مجھے اپنے عشق کی داستان سنائی
ہے کہ ایک عزیز ہیں ان کے کوئی خالہ صاحب ان کو مدتوں سے ہماری
بیگم صاحبہ یقین دلاتی رہیں کہ بس آج جان دیتی ہوں اور کل وہ بیچارے
خود بالکل آمادہ تھے، انتقال فرمانے کے لئے اور شاید انتقال فرما
بھی جاتے کہ ان کو رحم آگیا ان کی حالت پر اور ان کو سمجھا دیا کہ ہم
تو آپ کو محض بیوقوف بنا رہے تھے کہیں سچ مچ نہ مر جایئے گا۔"

شکیل نے باوجود اس حالت کے ہنس کر کہا۔" کیا واقعی ؟"

اختر نے کہا۔" ارے بھئی تم نے۔ تو دیکھا ہوگا خالد کو وہ کچی سی
داڑھی رکھے ہوئے، سٹپٹاتے ہوئے سے بزرگ خالہ زاد بھائی ہوتے
ہیں ساجدہ کے، واقعی ان کو یہ غلط فہمی ہو گئی تھی کہ ساجدہ ان کے
سوا اپنے جینے اور مرنے کا ارادہ اور بہانہ نہیں ڈھونڈ سکتی سان کو
یقین ہی دلایا گیا تھا کچھ اس طرح ۔"

شکیل نے کہا۔" ایسا کوئی قصہ ہوتا تو نجمہ مجھ سے ضرور کہتی ۔"

سعید نے کہا۔" وہ کیوں ؟ ابھی وہ آپ کی زوجیت میں نہیں
اور وہ آپ سے اس قدر بے تکلف نہیں۔ آخر وہ اس قسم کی
باتیں کیسے کر سکتی ہے۔ ممکن ہے کہ اس قسم کا کوئی قصہ
نہ ہو، بلکہ کوئی اور ہی بات بنائی گئی ہو یہ طے ہے کہ بتو نے
جو کچھ کہا ہے وہ یقیناً غلط ہے۔"

دیر تک اسی قسم کی باتیں ہوتی رہیں۔"

ان باتوں کا نہایت خوشگوار اثر شکیل پر پڑا۔ یعنی جس
ت یہ لوگ رخصت ہوئے، شکیل فوراً پُرسکون کی نیند
گیا۔"

شکیل کا علاج بدستور ہو رہا تھا۔ مگر شکیل کو خود یہ معلوم تھا کہ یہ سب دوائیں بیکار ہیں سے

جسے درد دل کی خبر بھی نہیں ہے وہی درد دل کی دوا چاہیے

اسے معلوم تھا کہ اس کو اگر افاقہ ہو سکتا ہے تو نجمہ کے ایک حرف تسلی سے اگر یہ واقعہ سچ نکلا تو وہ خود اچھا ہونا نہ چاہتا تھا۔ آخر ایک روز جب کی صبح کی نماز پڑھ کر نجمہ نے گھر بھر کی نیند سے فائدہ اٹھا کر شکیل کے کمرے میں قدم رکھا تو وہ اس طرح جاگ رہا تھا گویا اسی کا منتظر ہے۔ اس نے نجمہ کو دیکھتے ہی کہا۔ "صبح بخیر نجمہ"

نجمہ نے قریب آکر کہا۔ "کیسی طبیعت رہی آپ کی۔"

شکیل نے کہا۔ "کرسی قریب لے کر بیٹھ جاؤ۔ آج میں یا تو صحت یاب ہونا چاہتا ہوں۔ ورنہ مجھ کو صحت کی کوئی فرصت ہی نہ

رہے گی۔ میں اپنی بیماری کی تفصیل سنا کر تم سے دوا مانگوں گا۔"

یہ کہہ کر اس نے شروع سے آخر تک تمام افسانہ سنایا کہ کس طرح بو میاں نے اختر کے یہاں سب کو جمع کیا اور کیونکر اپنے اور تمہارے معاشقہ کا قصہ بیان کر کے یہ دو پرچے سب کو دکھائے اور وہ کیونکر اس کے لئے آمادہ ہو گیا کہ نجمہ سے منہ در منہ گفتگو کرنے کو تیار ہوں۔ نجمہ کا عالم اس وقت یہ تھا کہ چہرہ زرد تھا۔ آنکھیں ڈبڈبائی ہوئی تھیں۔ اور پتلے پتلے ہونٹ کانپ رہے تھے۔ آخر جب شکیل سب کچھ کہہ چکا تو نجمہ نے کہا" اب مجھ کو صرف یہ پوچھنا ہے کہ آپ مجھ سے کچھ پوچھنا چاہتے ہیں۔ یا بغیر مجھ سے پوچھے ہوئے کچھ سمجھنا چاہتے ہیں۔"

شکیل نے کہا۔" مجھ کو معاف کرنا نجمہ کہ میں اس قدر گھٹیا اور گری ہوئی بات کر رہا ہوں کہ میں تم ہی سے کچھ پوچھنا چاہتا ہوں خود کچھ سمجھنے کی طاقت اور صلاحیت اس قصہ نے مجھ میں باقی نہیں رہنے دی ہے۔"

نجمہ نے کہا" شکیل میں صرف اس قدر کہہ سکتی ہوں کہ اس سلسلہ میں سوائے اس کے مجھے اور کچھ نہیں معلوم کہ جہاں تک میرا تعلق ہے میرے دل کے کسی گوشے سے وہ نفرت کسی وقت بھی نہ ہٹ سکی جو بو کے لئے ہمیشہ سے میرے دل میں موجود رہی ہے اور جس کو میں اپنی خوش مذاقی، شرافت اور بلندی کی نشانی سمجھتی ہوں۔

شکیل نے کہا:"اس کا تو مجھے یقین ہے مگر اس کا بھی یقین ہے کہ یہ پرچے تمہارے ہاتھ کے لکھے ہیں۔"

نجمہ نے دو موتی اپنی آنکھوں سے گراتے ہوئے کہا:"ہاں میرے ہاتھ کے ہیں۔"

شکیل نے کہا:"یہ تم نے ببو کو دیئے تھے یا نہیں۔"

نجمہ نے کہا:"کیا مجھ کو یہ کہنے کی ضرورت ہے کہ میں نے نہیں دیئے تھے شکیل تم مجھ کو اتنا گرا ہوا سمجھتے ہو۔"

شکیل نے کہا:"میں کیسے سمجھاؤں نجمہ کہ میں تم کو کتنا بلند سمجھتا ہوں مگر تم میری اس کمزوری کو تو سہارا دو کہ میرے سامنے یہ تحریری ثبوت پیش کیا گیا ہے ایک افسانے کے ساتھ افسانہ تو غلط ہو سکتا ہے مگر یہ تحریریں کیونکر غلط مان لوں۔"

نجمہ نے کچھ سوچتے ہوئے کہا:"ہائے کم بخت مجھ کو تو یہ بھی یاد نہیں کہ میں نے کب اور کیوں یہ شعر لکھے تھے۔ معلوم ہوتا ہے کہ کبھی میں نے یہ شعر لکھ کر پھاڑ ڈالے ہیں اور ردی سے یہ دو ٹکڑے اس کم بخت کے ہاتھ لگ گئے ہیں۔ ذرا دینا تو مجھ کو۔"

شکیل نے دونوں پرچے بڑھا دیئے۔ نجمہ نے ان کو غور سے دیکھ کر ایک مرتبہ جست کی۔"اچھا ٹھہرو۔ بلکہ نہیں تم گھنٹی بجاؤ۔"

شکیل نے کہا:"کیا بات ہے کچھ بتاؤ تو سہی۔"

نجمہ نے خود ہی گھنٹی بجاتے ہوئے کہا:"ابھی پتہ چل جائے گا۔"

شکیل کا خانساماں کمرے میں داخل ہوا تو نجمہ نے کہا۔ دیکھو شکور میری میز پر ایک نوٹ بک رکھی ہے۔ سیاہ رنگ کی ذرا اسے اٹھا لانا۔

خانساماں کے جانے کے بعد شکیل نے کہا: "آخر بات کیا ہے؟"

نجمہ نے کہا: "ابھی معلوم ہوئی جاتی ہے بات اس قدر اضطراب کی کیا ضرورت ہے۔ خدا کرے میرا شک صحیح ہو۔"

خانساماں نے نوٹ بک لاکر نجمہ کے حوالے کردی اس نے جلد جلد نوٹ بک کے صفحات الٹ کر ایک مرتبہ پھر اچھل کر کہا۔

"یا اللہ تیرا شکر ہے۔ یہ لیجئے۔ یہ دونوں پرزے اس صفحے سے پھاڑے گئے ہیں ملا لیجئے، سطر سے سطر، روشنائی سے روشنائی۔"

شکیل نے بیٹھ کر حیرت سے نوٹ بک اور ان پرچوں کو دیکھا۔ واقعی یہ دونوں پرزے اسی نوٹ بک کے اسی صفحہ سے پھاڑے گئے ہیں۔ وہی کاغذ وہی قریب قریب کھنچی ہوئی سطریں اور وہی روشنائی

شکیل نے ہر طرح اطمینان کرنے کے بعد کہا: "یقیناً یہ اسی نوٹ بک سے پھاڑے گئے ہیں۔"

نجمہ نے کہا: "یہی نہیں بلکہ کسی کو بھیج کر ساجدہ اور نرگسی کی نوٹ بک بھی منگوا لیجئے۔ امید ہے کہ یہ اشعار ان میں بھی موجود ہوں گے۔"

شکیل نے کہا: "کیا مطلب؟"

نجمہ نے کہا: "انجمن معین الادب کے سالانہ مشاعرہ میں ساجدہ

اور نرگس کے ساتھ میں بھی گئی تھی اور دہاں جو اشعار ہم لوگوں کو پسند آئے تھے وہ اپنی اپنی نوٹ بک میں لکھتے گئے تھے میرا خیال ہے کہ ہ

دل ایسی چیز کو ٹھکرا دیا نخوت پرستوں نے
بہت مجبور ہو کر ہم نے آئین وفا بدلا

یہ شعر تو سب ہی نے لکھا ہے خدا کے لئے آپ کسی کو بھیج کر ساجدہ اور نرگس کی نوٹ بک منگوا لیجئے۔"

شکیل نے کہا۔" اب مجھے کسی چیز کی ضرورت نہیں، سارا قصہ آئینہ کی طرح میرے سامنے ہے۔ اس کم بخت بوئے تمہاری نوٹ بک سے یہ پرزے اسی غرض سے پھاڑے تھے کہ ضرورت پڑنے پر اسی قسم کا فساد پیدا کرے گا۔ چنانچہ وہ اپنی ترکیب میں کامیاب ہو گیا۔ اس نے مجھ کو کامیاب دھوکہ دیا اور میں ایسا بے وقوف کہ بجھے اس نے اس حد تک متاثر کر لیا کہ میں نے تمہارے سر اس ذلیل الزام کو گویا منڈھ ہی دیا۔ نجمہ میں کس منہ سے اپنی اس گری ہوئی حرکت کیلئے تم سے معافی مانگوں۔ میں نے کیوں شک کی نظر ڈالی تمہارے متعلق یہ گمان ہی میرے ذہن میں کیوں پیدا ہوا۔ میں اس قابل نہیں ہوں کہ تم مجھ کو معاف کرو۔"

یہ کہتے کہتے شکیل نے نڈھال ہو کر اپنا سر تکیہ پر ڈال دیا اور نجمہ کا کلیجہ دھک سے ہو گیا کہ کہیں ان پر پھر قلبی دورہ نہ پڑ جائے اس نے دلدہی کرتے ہوئے کہا۔" کمال کرتے ہیں آپ اگر اس سلسلہ

میں بدگمان نہ ہو جاتے تو مجھ کو شکایت پیدا ہوتی۔ ظاہر ہے آپ کی یہ بدگمانی آپ کی وابستگی کو مستحکم ثابت کر رہی ہے۔ جس قدر زیادہ تعلق خاطر ہوگا اسی قدر شک کی حس تیز ہوگی۔"

شکیل نے کہا۔" یہ صرف تسلی ہے۔ نجمہ میرا دل اس وقت مجھ کو خود ملامت کر رہا ہے۔ میں تم سے آنکھ چار کرنے کے قابل نہیں۔"

نجمہ نے کہا۔" اور میں اس وقت پھولی نہیں سماتی کہ آپ کو مجھ سے اس حد تک وابستگی ہے کہ آپ اس شک کے ماتحت اپنی جان سے دور جان کی بازی تک لگا چکے تھے۔ اچھا خیر اب آپ اس ناگوار بحث کو ختم اور خدا کے لئے اب اپنی صحت کا خیال کیجئے۔ خدا سمجھے اس کم بخت سے جس نے جان ہی لے لی ہوتی۔"

شکیل نے نجمہ کا ہاتھ پکڑ کر کہا۔" میری نجمہ کیا واقعی تم اس قدر بلند ہو کہ مجھے اتنی پستی میں گرا ہوا دیکھ کر بھی معاف کرنے کو تیار ہو۔"

نجمہ نے ہنس کر کہا۔" آپ کا دماغ ہے خراب، ہاں میں صرف اس شرط پر معاف کر سکتی ہوں کہ آپ جلد سے جلد تندرست ہونے کی کوشش کیجئے۔ بڑے اچھے معلوم ہوتے ہیں بے چارے اتنا بھی کوئی کسی بات کا اثر لیتا ہے اور جو دشمنوں کی حالت کچھ زیادہ خراب ہو جاتی تو۔"

شکیل نے کہا۔" اب میں بالکل اچھا ہوں میرا علاج تم نے

کر دیا۔ میرے مرض کو تم نے پہچان لیا۔ اور مجھ کو میرے مرض کی دوا تم
نے اسی بیاض سے نکال کر دی۔"

دور سے مولوی صاحب کی آواز آئی۔ "انشاءاللہ۔"

شکیل سے نجمہ نے ہاتھ چھڑاتے ہوئے کہا: "اب کل صبح میں
دیکھنے آؤں گی۔ آپ مجھ کو بالکل تندرست ملیں۔"

شکیل نے ہنس کر کہا: "انشاءاللہ۔"

نجمہ نے نوٹ بک لے جانا چاہی مگر شکیل نے چھین لی۔
مولوی صاحب کے "انشاءاللہ کی آواز اب بالکل قریب تھی۔
لہٰذا نجمہ ایک جھپا کے ساتھ یہ جا اور وہ جا۔

نجمہ کے جانے کے بعد ہی شکیل نے کاغذ اٹھا کر پرچہ لکھا۔

"اختر، سعید اور اشتیاق بے چینی سے منتظر ہوں، جس عالم میں ہو فوراً چلے آؤ۔"

تمہارا شکیل

اور خانساماں کو بلا کر بائیسکل پر اختر کے یہاں بھیجدیا۔ بس اتنی دیر لگی ہوگی کہ اختر نے اشتیاق کو ان کے یہاں سے بلایا، اس کے بعد بغیر شیو کئے بغیر غسل کئے جس طرح بیٹھے تھے۔ تینوں اس پرچہ کے جواب میں خود آموجود ہوئے بلکہ اس پرچہ سے تھوڑی سی پریشانی بھی ہوئی کہ آخر قصہ کیا ہے چنانچہ ساجدہ خود نرگس بھی ریحانہ کے یہاں یہ کہلوا کر روانہ ہوگئیں کہ فوراً نجمہ کے یہاں پہنچو۔ اختر اور سعید وغیرہ کے پہنچنے کے بعد شکیل نے بستر سے ایک جست کرکے اپنے کو ایک آرام کرسی پر گراتے

ہوئے کہا۔ اختر میں اچھا ہو گیا۔ سعید میں بیمار نہیں ہوں اشتیاق میں تندرست ہو گیا، بچ گیا۔ بچا لیا گیا۔"

سعید نے کہا "یا وحشت، آخر بدحواس کیوں ہوئے جاتے ہو۔"

اختر نے چپکے سے کہا "دماغ پر اثر معلوم ہوتا ہے۔"

اشتیاق نے ذرا بلند آواز سے کہا "لیٹ جاؤ شکیل، بیٹھنے کو منع کیا ہے، ڈاکٹر صاحب نے۔"

شکیل نے ہنس کر کہا "گدھے ہیں آپ۔ گویا کسی پاگل سے بات کر رہے ہیں جناب، ادھر آؤ میرے پاس یہ دیکھو یہ وہی پرزے ہیں نا۔"

اختر نے کہا "ہاں وہی ہیں، پھر۔"

شکیل نے نوٹ بک کا وہی صفحہ کھول کر کہا "یہ دیکھو اسی صفحہ سے یہ پرزے پھاڑے گئے ہیں نا۔ سطر سے سطر ملا لو، وہی کاغذ ہے وہی روشنائی ہے، وہی تحریر ہے۔"

اشتیاق نے کہا "واقعی یہ تو اسی صفحہ سے پھاڑے گئے ہیں۔"

سعید نے غور سے پرزوں اور نوٹ بک کو دیکھتے ہوئے کہا "یہ قصہ کیا ہے آخر؟"

شکیل نے کہا "قصہ صرف یہ ہے کہ ڈوب مرنا چاہئے سب سے پہلے مجھ کو اور اس کے بعد تم سب کو کہ اس حماقت مجسم نے ہم سب کو بیوقوف بنا دیا۔ قصہ اصل میں یہ ہے کہ بجمہ ساجدہ

اور نرگس انجمن معین الادب کے مشاعرے میں گئی تھیں۔ عورتوں کو تو عادت ہوتی ہے کہ مشاعرے کے اشعار ٹانک لیا کرتی ہیں۔ چنانچہ ان تینوں نے بھی اپنی اپنی نوٹ بک پر اپنی اپنی پسند کے اشعار لکھ لئے تھے۔ نجمہ کی نوٹ بک میز پر رکھی تھی۔ آپ نے اس یعنی میری مراد بو میاں سے ہے کہ ان حضرت کی نظر پڑی ہوگی اس بیاض پر، آپ نے اس میں سے یہ اشعار اپنی حرامزادگی کے مفید مطلب نکال کر لئے ہوں گے۔ سب سے پہلے تو ان اشعاروں سے یہ کام لیا گیا ہوگا حسو کے یہاں اس کو دکھانے کے لئے کہ دیکھو میں ایسا بت طناز ہوں کہ لڑکیاں میرے عشق میں مر رہی ہیں۔ اس کے بعد اس نے ہم کو بہکانے کے لئے یہ زہر پھیلا دیا۔"

اختر نے کہا۔ "لعنت ہے آپ پر، یہ جناب ہی کی ذات ستودہ صفات ہے کہ اس تھرڈ کلاس سازش کا شکار ہو گئی۔"

سعید نے کہا۔ "بھئی یہ غلط ہے۔ اس کم بخت نے کہا ہی کچھ اس انداز سے تھا کہ ایمان کی بات یہ ہے کہ میرے دل میں خود شکوک پیدا ہو گئے تھے۔"

اشتیاق نے کہا۔ "دوسرے یہ کہ ان بیچارے کو تو بدگمان ہونے کا حق بھی تھا۔ یک عشق و صد بدگمانی۔"

سعید نے کہا۔ "میں تو خدا کی قسم اس روز اتنا مشتعل ہوا تھا کہ ان حضرت کو بغیر مارے نہ چھوڑتا۔"

اختر نے کہا "اور اب میں بغیر مارے نہ چھوڑوں گا۔"

دروازہ کا پردہ ہلا اور ساجدہ نے کہا "ہم لوگ حاضر ہو سکتے ہیں؟"

شکیل نے کہا "بسرو چشم، یعنی آپ لوگ بھی موجود ہیں۔"

ریحانہ نے کہا "جی ہاں پرچہ بھیج کر سب کو پریشان کر دیا۔ میں نے تو کہا کہ الٰہی خیر ہو نہ جانے شکیل بھائی کیسے ہیں، وہ تو کہیئے کہ نورا" عقل سے کام لے کر یہ غور کیا پرچہ خود آپ ہی نے لکھا ہے لہذا تندرست تو یقیناً" ہیں۔ مگر جو بات ہو بے حد ضروری ہے لہذا "فوراً" بھاگی۔"

نرگس نے کہا "مگر شکیل بھائی کیا کہنا ہے آپ کا۔ ناقص العقل خطاب ہے عورتوں کا اور عقل کے پتلے عقل کے ایسے نیلام کنندہ ہوتے ہیں کہ خدا ہی بچائے۔ چرکہ دیا بھی تو گس نے جس کے جسم سے حماقت کے جراثیم اڑا کرتے ہیں اور جس کے چہرے پر تختی لٹک رہی ہے "میں نجیب الطرفین احمق ہوں۔"

اختر نے کہا "ارے واری میری بیوی، بے ہو تمہاری نجیب الطرفین احمق کا جواب ہی نہیں۔"

نرگس نے کہا "خیر جناب سے تو بعد میں دریافت کیا جائے گا کہ آخر اس تمام قصہ کی اطلاع مجھ کو کیوں نہ ہوئی اور جو اس رازداری کی بدولت اللہ نہ کرے، شکیل بھائی کی جان پر بن جاتی تو۔"

ریحانہ نے کہا "اور نہ کچھ انہوں نے کہا مجھ سے۔"

ساجدہ بولی۔ "ہمارے صاحب بہادر تو واقعی چھا رہے ہیں ایٹنشن یہ خیال ڈبل مارچ کر گیا ہوگا۔ ورنہ دعویٰ تو یہ ہے کہ میں ہر بات آکر گھر میں کہدیا کرتا ہوں ۔۔۔"

اختر نے کہا۔ "کیا کہتے ہم لوگ کون سی خوشگوار بات تھی کہتے ہوئے بھی تو شرم آتی تھی۔

نرگس نے ہاتھ مٹکاتے ہوئے کہا۔ "اللہ رے آپ کی شرم دیکھ لی۔ اس شرم کا نتیجہ کہ شکیل بھائی خدا کے گھر سے لوٹے ہیں۔"

اشتیاق نے کہا۔ "میرا ارادہ تو ہو ہی رہا تھا کہ اپنی ہمزاد کو آج بتادوں ۔۔"

ریحانہ نے کہا۔ "بس رہنے دیجئے۔ مجھے تو تعجب ہوتا ہے کہ بڑی سے بڑی بات ہو جائے اور آپ لوگ ایسے ہیں کہ ہوا بھی نہ لگنے دیں۔ اگر یہ قصہ ہم لوگوں کو معلوم ہوتا تو اتنا طول ہی کیوں کھنچتا ؟"

سعید نے کہا۔ "یہ غور کر رہا ہوں کہ ببو کو اب کیا سزا دی جائے۔"

ساجدہ نے کہا۔ "معلوم بھی ہے کچھ، وہ اس دن سے مفقود الخبر ہیں پتہ نہیں ان کا۔"

شکیل نے کہا۔ "سزا وزا اب کچھ نہیں سزا کا مستحق میں ہوں کہ میں اس ذلیل قسم کی غلط فہمی میں مبتلا ہی کیوں ہو گیا ؟"

ریحانہ بولیں۔ "آپ لوگوں کا کیا ہے غلط فہمی کا خدا نہ کرے کہ موقع مل جائے پھر بھلا آپ لوگ بخشنے والے ہیں۔"

اشتیاق نے کہا "خصوصاً میں تو ہرگز نہ بخشوں گا۔ سوال یہ ہے کہ آخر موقع دیا ہی کیوں جائے؟"

ریحانہ نے کہا "کون دیتا ہے موقع، یہ موقع تو نجمہ نے دیا تھا۔ یا خود خریدا گیا تھا۔ توبہ ہے نجمہ کے متعلق یہ خیال اور پھر کس کے متعلق ہو، ایسے جو ہر اعتبار سے جانور ہے کے متعلق۔"

ساجدہ نے کہا "اس کا مطلب یہ بھی تو ہوا کہ یہ لوگ خود اعتمادی سے قطعاً کام نہیں لیتے۔ حالانکہ غور کرنے کی ضرورت یہ تھی کہ بہو میں کیا خصوصیت ہے۔ صورت ملاحظہ کیجئے تو عجائب خانہ حیوانات کی سیر کا لطف آتا ہے۔ گفتگو سنیئے تو شبہ ہوتا ہے کہ تھیٹر کے چار آنے والے درجہ میں جگہ مل گئی ہے۔"

نرگس نے کہا "لباس دیکھئے تو معلوم ہوتا ہے کہ پانوں کی پٹاری چھوڑ کر بھاگے ہیں، یا سارنگی بھول آئے ہیں کہیں۔"

ریحانہ نے کہا "کچھ بھی ہو، اس نے ایسے ایسے عالی دماغوں کو وہ بے وقوف بنایا ہے کہ اس کی ذہانت سے کسی کو انکار نہ ہونا چاہیئے۔"

سعید نے غصہ سے کہا "ذہانت نہیں، اس کو خباثت کہتے ہیں تم لوگ چاہے معاف کر دو، مجھ کو تو اگر وہ مل گیا تو مارے ہنٹروں کے ادھیڑ کر رکھ دوں گا۔ بدمعاش کہیں کا۔ اتنا ماروں گا کہ ساری بدمعاشی بھول جائے۔"

باہر سے آواز آئی: "انشاءاللہ۔" لڑکیاں لڑکھڑاتی بھاگیں
اندر اور یہ سب سنبھل کر بیٹھ گئے۔"
مولوی صاحب نے تشریف لاتے ہوئے کہا: "انشاءاللہ
اب آنے ہی کو... تم بالکل تندرست ہو جاؤ گے۔"
اختر نے کہا: "یہ اب تندرست ہیں غالباً کل تک بستر
چھوڑ دیں گے۔"
مولوی صاحب نے جاتے ہوئے کہا: "انشاءاللہ۔"
ان کے جانے کے بعد اشتیاق نے کہا "یار شکیل یہ
تمہارے انشاءاللہ خاں انشاءاللہ ہیں بڑی محبت کے بزرگ۔"
انشاءاللہ خاں انشاءاللہ پر سب کو ہنسی آگئی۔ اس ہنسی
میں آج شکیل بھی برابر کا شریک تھا۔ اس لئے کہ اس کا دل
بھی ہنس رہا تھا۔

مولوی رجب علی صاحب کے گھر کی چہل پہل کا کیا پوچھنا۔ آج ان کے یہاں دوہری خوشی تھی شکیل کا غسل صحت بھی اور نجمہ کی شادی بھی۔ گھر میں ساجدہ، ریحانہ اور نرگس کے ہاتھ میں تمام انتظام تھا اور باہر اشتیاق اور اختر منتظم تھے۔ اس لئے کہ سعید صرف ڈانٹ ڈپٹ کے آدمی تھے۔ انتظامی معاملات میں ان کو چنداں دخل نہ تھا اور مولوی صاحب بیچارے نے سپرد اگر کوئی کام کر دیجئے تو وہ "انشاءاللہ ہو جائے گا" کہہ کر اس سے مطمئن ہو جاتے تھے۔ گویا اب اللہ ہی اس کام کو کرے تو وہ ہو۔ اختر نے مردانہ ضیافت کا نہایت عمدہ انتظام کیا تھا۔ بات یہ تھی کہ شکیل کی اس شہر میں ملازمت کی وجہ سے تمام مقامی حکام جن میں کمشنر تک شامل تھے۔ مدعو تھے۔ شہر کے تمام حکام کے علاوہ تمام وکیل اور بیرسٹر اور تمام عائدین شہر آ رہے تھے۔ کھانا دو طرح کا تھا۔ انگریزی الگ، ہندو مہمانوں کے لئے الگ اور مسلمانوں

کے لئے الگ۔ انتظام یہ تھا کہ برات اختر کے یہاں سے روانہ ہوکر مولوی رجب علی صاحب کے یہاں آئے اور دلہن رخصت ہو کر اختر منزل ہی جائے۔ چنانچہ ٹھیک چھ بجے اختر کے یہاں سے برات روانہ ہوئی برات ہی کیا تھی۔ موٹروں کی ایک قطار تھی۔ جس کے وسط میں ایک پھولوں سے لدی ہوئی گاڑی میں سعید، اشتیاق، اختر، ڈپٹی کمشنر اور کمشنر کے ساتھ نوشہ تھا۔ مولوی صاحب کے دروازہ پر برات کا خیر مقدم مولوی صاحب خود اور حضرت صاحب قبلہ نے فرمایا اور دولہا کو مع معزز مہمانوں کے اس بار گاہ میں پہنچا دیا گیا جو اسی مقصد کے لئے بجائے خود دلہن کی طرح سجا دی گئی تھی۔

اوپر سے تمام عورتیں برات کی آمد کا منظر دیکھ رہی تھیں۔ مگر ان میں ساجدہ، ریحانہ اور نرگس نہ تھیں۔ اس لئے کہ یہ تینوں تو دلہن کے کمرے میں موجود تھیں جس میں باہر کا منظر دیکھنے کے لئے دو کھڑکیاں تھیں۔ ساجدہ نے ریحانہ سے کہا "اشتیاق بھائی نے یہ شیروانی خود اپنی شادی میں کیوں نہ پہنی تھی۔"

نرگس نے کہا "شرم آتی ہوگی کہ اپنی ہی شادی میں اب کیا پہنیں مگر یہ واقعہ ہے کہ آج دولہا تو وہ خود بنے ہوئے ہیں۔"

ساجدہ نے کہا "اور دولہا بنے ابھی کتنے ہی دن ہوئے ہیں اگلے زمانہ میں تو اتنے دنوں کے دولہاؤں کے منہ سے رومال بھی نہ ہٹتا تھا۔ یہ تو اس زمانہ کی خوبی ہے کہ نہ دلہنوں میں شرم

اور حیا اور نہ دولہا کو آئے گئے کا لحاظ کیا زمانہ آگیا ہے بیوی۔"

ریحانہ نے ٹھنڈی سانس بھر کر فرمایا۔" سچ کہتی ہیں نانی اماں آپ۔"

ساجدہ نے نانی اماں بن کر کہا۔" ارے بیٹا جب میں تمہاری عمروں کی تھی تو شادی کے بعد ڈھائی مہینہ تک تو دلہن کی آنکھ ہی نہ کھلتی تھی۔"

نرگس نے کہا۔" اور ڈھائی مہینہ کے بعد دولہا کو اصل میں پتہ چلتا تھا کہ دلہن اندھی ہے یا کانی۔"

نجمہ کو بھی ہنسی آگئی تو ساجدہ نے کہا۔" دیکھ لیا ہائے غضب یہ وہ دلہن ہنس رہی ہے جس کی برات دروازہ پر بیٹھی ہے۔ بیٹی مجھ کو تو وہ زمانہ یاد آرہا ہے کہ شادی سے ایک ہفتہ ادھر اور ایک ہفتہ ادھر دلہن سانس بھی نہ لیتی تھی۔"

ریحانہ نے کہا۔" اور یہ مشق دلہنیں دم سادھنے والے سادھوؤں سے کیا کرتی تھیں۔ بہت سی دلہنیں تو ایسی بھی گزری ہیں کہ شادی کے بعد سے پھر بیچاریوں نے سانس ہی نہیں لی۔"

ساجدہ نے کہا۔" اے مجھ ہی کو دیکھ لو۔ اللہ رکھے پوتے نواسوں والی ہوں۔ مگر آج تک تمہارے نانا ابا کو پتہ نہیں چلا کہ میں کھانا کھاتی بھی ہوں یا نہیں۔"

نجمہ سے ضبط نہ ہو سکا۔" کم بخت خود نانی اماں بنی ہوئی ہے سعید بھلا کو نانا ابا بنا دیا۔"

نرگس نے کہا۔" اور آواز تو دیکھو کیسی پوپلی بن جاتی ہے کبھی جو

کوئی پہچان سکے کہ یہ ساٹھ برس سے کم کی بڑھیا ہے۔ سعید بھائی یہ آواز سن لیں تو ان کے بال بھی سفید ہو جائیں۔"

ریحانہ نے باہر دیکھتے ہوئے کہا "دولہا کے پاس یہ تین چار میمیں کون بیٹھی ہوئی ہیں باجی"

نرگس نے کہا "کمشنر اور ڈپٹی کمشنر کا خاندان ہے۔ یہ اندر بھی ضرور آئیں گی۔ ان ڈپٹیانوں کو دیکھنے۔"

یہ باتیں ہو رہی تھیں کہ وکیل اور گواہوں کی آمد ہلڑ ہوئی اور عورتوں میں غدر کی سی کیفیت پیدا ہو گئی۔ وکیل اور گواہوں کے ساتھ وہ انگریز خواتین بھی گھر میں آ گئیں۔ جن کا ابھی ذکر ہو ہی رہا تھا۔ سعید نے جو گواہ کی حیثیت سے اندر آئے تھے دلہن کے قریب ہی ایک صوفہ ڈلوا دیا تاکہ یہ خواتین دلہن کی منظوری کا منظر دیکھ سکیں۔ وکیل اور گواہ جب پوچھ کر باہر چلے تو سعید کے مشورے کے مطابق دلہن کے کمرے کو بالکل خالی کرا دیا گیا تاکہ یہ خواتین دلہن کو دیکھ سکیں۔ چنانچہ سب کے جانے کے بعد ساجدہ نے انگریزی میں ان میں سے ایک خاتون سے پوچھا کہ آپ دلہن کو دیکھیں گی۔ وہ سب تو اسی لیے آئی تھیں۔ ان بے چاریوں نے اپنا تعارف خود کرایا کہ میں یہ ہوں اور وہ یہ ہیں۔ کمشنر کی میم صاحبہ مسز لائڈ نے کہا "ہم دلہن کو دیکھنے آئے ہیں مسٹر شکیل کی دلہن کو ضرور دکھائیے۔ ان کا منہ کھول دیجئے نا۔"

ساجدہ نے نجمہ کا منہ کھول کر دکھایا تو مسز لائڈ نے ایک خوشی کا

مہین سا نعرہ بلند کیا۔ " اور ایسی خوبصورت یہ تو بڑی پیاری ہیں ، مسٹر شکیل بہت خوش قسمت ہیں " یہ کہہ کر نجمہ کو ہر طرف سے گھوم کر دیکھا معلوم ہوتا تھا کہ عاشق ہی تو ہو جائیں گی۔

آخر میں ایک بہت خوبصورت سونے کا تصویر رکھنے کا فریم دیتے ہوئے کہا۔ " اپنی ان ہی کپڑوں کی تصویر اس فریم میں رکھ کر مسٹر شکیل کی سنگار میز پر لگا دینا تاکہ ان کو اپنا سنگار پھیکا نظر آئے ہمیشہ۔"

مسٹر ولیم ڈپٹی کمشنر کی میم صاحبہ نے دو طلائی گلدان دیتے ہوئے کہا " جس گھر میں ایسی خوبصورت دلہن ہو، وہاں کسی اور سجاوٹ کی ضرورت تو نہیں ہے۔ مگر تم اپنے دولہا سے پوچھنا کہ اس گلدان میں لگے ہوئے پھول دیکھ کر مجھے دیکھو کہ کون زیادہ خوبصورت ہے؟"

مسز رابرٹ نے ایک رائٹنگ کیس دیتے ہوئے کہا " اپنے میاں کو پہلا خط ان ہی کاغذوں پر لکھنا ۔"

نجمہ مسکرا کر ہر تحفہ قبول کرتی گئی۔ اور آخر میں ان تینوں کا مزید شکریہ ادا کرنے کے بعد وعدہ کیا کہ میں خود آکر آپ سب سے ملوں گی اور آپ کو یہاں بلا کر دکھاؤں گی کہ آپ کے دیئے ہوئے ان تحفوں کا مصرف ٹھیک ہوا ہے یا نہیں " ان تینوں کو فوراً باہر بلا لیا گیا اس لئے کہ وہاں ڈنر ٹیبل تیار تھی۔ ان کے جانے کے بعد ریحانہ نے کہا۔ تم لوگوں نے ان میموں کی وجہ سے ایک دلچسپ تماشا چھوڑ دیا۔ جیسے ہی باہر نکاح ہو چکا اور چھوارے لٹائے گئے۔ سعید بھائی نے سب سے زیادہ لوٹے اور تین چھوارے

اس کھڑکی کے قریب آکر ایک طرف رکھ کر دعا کے لئے ہاتھ اٹھا دیئے۔ اختر بھائی نے ان کی یہ حرکت دیکھی پوچھا کہ یہ کیا آپ نے منہ پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا" یا اللہ اس کا ثواب ببو میاں کی روح ناپاک کو پہنچے۔"

بجمہ نے کہا" خدا کے لئے اس وقت اس کم بخت کا نام نہ لو۔"

ساجدہ نے بھی تائید کی" واقعی منحوس کے ذکر ہی کو نہ چھیڑو۔"

ذکر چھیڑنے کا موقع ہی نہ ملا۔ گھر میں بھی کھانے کی ہڑبونگ شروع ہو گئی۔ اور جب خدا خدا کر کے اس طوفان نے دم لیا تو دلہن کی رخصتی تیاریاں شروع ہو گئیں۔ دولہا کو سلام کرائی کے لئے جس وقت گھر میں بلایا گیا ہے۔ شدت جذبات سے بے قابو ہو کر شکیل نے پچا کے گلے میں باہیں ڈال دیں اور وہ بھی" میرا بچہ" کہہ کر لپٹ گئیں۔"

امامن بوا نے کہا" اللہ تم سب کو اسی طرح گلے لگائے رکھے۔"

مولوی رجب علی صاحب نے فرمایا" انشاء اللہ"

بیگم صاحبہ نے کہا" اے انشاء اللہ، انشاء اللہ کہے جاؤ گے یا داماد کو سلام کرائی بھی دو گے۔"

مولوی صاحب نے فرمایا" انشاء اللہ دوں گا۔ سلام کرائی بھی لو بیٹا یہ اس گھر کی کنجیاں ہیں۔ یہاں جو کچھ ہے تمہارا ہے صرف تم میرے ہو۔"

شکیل نے پچا کے قدموں پر جھکنے کی کوشش ہی کی تھی کہ انہوں نے نعرہ بلند کیا" انشاء اللہ نہ نہ نہ۔ انشاء اللہ یہ نہ ہونے دوں گا۔"

" میاں تم تو ہمیشہ کے سعادت آثار ہو، اور انشاء اللہ ہمیشہ ایسے

ہی رہو گے۔ مجھے یقین ہے اور انشاء اللہ یعنی انشاء اللہ، نہ جانے کیا کہنے والا تھا۔ خیر انشاء اللہ یاد آہی جائے گا۔"

بیگم صاحبہ نے بڑھ کر ایک چک دیتے ہوئے کہا" گھر کی کنجیاں ان سے لے چکے اور بینک کا حساب مجھ سے لے لو، اب تم جانو اور تمہارا کام اب ہم لوگوں کی دیکھ بھال بھی تمہارا فرض ہے۔" ان دونوں کے بعد باقی تمام اعزہ نے سلام کرائی دی۔ جب شکیل کا رومال بھر گیا تو ساجدہ کا آنچل بھرنا شروع ہو گیا اور آخر یہ رسم ختم ہونے کے بعد بارہ بجے رخصتی کی نوبت آسکی۔

اختر کے یہاں وہ کمرہ جس میں دلہن دولہا اتارے گئے تھے خوشبو کے ساتھ معلوم ہوتا تھا کہ اڑا جا رہا ہے۔ ساجدہ، ریحانہ اور نرگس نے حجلۂ عروسی اپنے نزدیک گوشہ خلد بنا دیا تھا۔ شکیل نے کمرہ میں قدم رکھتے ہی کہا ع

یہ کس رشک مسیحا کا مکاں ہے

اور پھر آگے بڑھ کر نجمہ کا گھونگھٹ الٹتے ہوئے کہا" میں اس لغو اور رسمی شرم سے تائب کرا کے رہوں گا آپ کو انشاء اللہ۔"

نجمہ کو اس انشاء اللہ پر بے ساختہ ہنسی آگئی اور واقعی اسی ایک انشاء اللہ کی بدولت درمیانی حجاب گویا بالکل اٹھ گیا۔

﴿ ختم شد ﴾